دشتِ جنوں

آمنہ ریاض

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

میں ایک راز ہوں۔
ایک سربستہ راز۔
ایک ایسا اسرار جو کئی سالوں سے قلعہ فلک بوس کی دیواروں سے لپٹا ہوا ہے اور بشام کے پہاڑوں میں گشت کرتا پھرتا ہے۔
میرے نادیدہ وجود سے بہت سے قصے مشہور ہوئے اور فلک بوس کی دیواروں پر اپنا نقش چھوڑ کر ان حسین وادیوں میں گم ہو گئے۔
میں ایک سوال' ایک معمہ.... ایک نہ سلجھنے والی گتھی۔
میں ایک ہیولا' جو احساس کی چوکھٹ پر دستک دیتا ہے۔ دکھائی نہیں دیتا۔
میں سماعت کا وہ گمان.... جس کا مفہوم کبھی واضح نہیں ہوتا۔
کیوں کہ میں ایک سایہ ہوں۔
ایک آسیب۔
ایک بھٹکی ہوئی روح۔
جسے قلعہ فلک بوس کی دنیا میں بھٹکنے کے لیے تنہا چھوڑ دیا گیا ہے۔

یہی میرا مسکن، یہی میری آماجگاہ۔
نہ میں اپنی تخلیق کے راز سے واقف نہ اپنی فنا سے آگاہ۔
میں فقط اک راز ہوں۔ ایک اسرار ہوں۔
قلعہ فلک بوس کا آسیب ۔۔۔ ایک بھٹکی ہوئی روح ۔۔۔
میں آیوشمتی ہوں۔۔۔

☆ ☆ ☆

ستمبر کی رکی رکی سی دوپہر کا وقت تھا۔
دھوپ کاہل بلی کی طرح منڈیروں پر چڑھی اونگھ رہی تھی۔
ایسے میں دادا ابا کے آبائی گھر کے پھیلے کھلے سے صحن میں، آم کے درخت کے عین نیچے لا کر اس نے آخری پلاسٹک کی کرسی رکھی اور اس رخ پر رکھی کہ گھر کے ادھ کھلے دروازے سے وہ بیٹھی ہوئی واضح طور پر نظر آ رہی تھی۔ اور پرائیویٹ تعلیمی اداروں کی ٹیچرز کی طرح بالکل فرمائشی مسکراہٹ چہرے پر سجا کر اسٹائل سے کمر سیدھی کر کے، دائیں ٹانگ بائیں پر رکھ کر اور گردن اکڑا کر بیٹھ گئی کہ دور سے دیکھنے پر اسٹیچو سی لگتی تھی انسان نہیں۔
چند سیکنڈ اس طرح بیٹھی رہی پھر خود ہی احساس ہوا کہ ایسے بیٹھ کر وہ مصنوعی سی لگے گی تو ذرا سا پہلو بدلا، بائیں ٹانگ دائیں پر رکھ لی۔ دل ابھی بھی مطمئن ہو کر نہ دیا تو کمر اور گردن جو اکڑا کر بیٹھی تھی اسے ڈھیلا چھوڑ دیا اور چہرے سے مسکراہٹ ایسے اڑنچھو ہوئی جیسے نیلی روشنائی کا ایک قطرہ پانی میں غائب ہو جاتا ہے اور اس نمائشی مسکراہٹ کی جگہ تذبذب نے لے لی۔
"دو گھنٹے سے تو میں انتظار کر رہی ہوں۔۔۔ ابھی تک تو کوئی آیا نہیں۔۔۔ یا اللہ جی! میرے اس کاروبار میں۔۔۔ مم میرا مطلب ہے میرے اس ٹیوشن سینٹر میں برکت ڈال دیں۔" اس نے کچھ زیادہ ہی جذباتی ہوتے ہوئے با آواز بلند دعا کی، ساتھ ہی جھٹ سے دوپٹے کا پلو سر پر رکھا اور درخت کے تنے کی طرف دیکھا جہاں "روشن درسگاہ" کا چھوٹا سا بورڈ لگا ہوا تھا۔ ایسا ہی ایک بورڈ اس نے صباحت تائی جان کے سونے کے بعد گھر کے باہر بھی لگا دیا تھا۔

چونکہ یہ گھر کا پچھلا حصہ تھا اور تائی کی اجازت لیے بغیر بورڈ لگانے کی گستاخی بھی پچھلے دروازے کے ساتھ ہی سرزد کی گئی تھی اس لیے یقین کامل تھا کہ اس گستاخی کی بھنک تائی کو نہیں پڑے گی۔ اور بھنک پڑ بھی جاتی تو کیا فرق پڑنا تھا۔ خوش نصیب کی توجوتی کو بھی پرواہ نہیں تھی کسی بات کی۔ البتہ اس کی اماں روشن بیگم بھیٹھانی کی ناراضی کے ڈر سے ہولتی رہتیں اور ان کا ساتھ دیتی خوش نصیب کی بڑی بہن.... محترمہ ماہ نور صاحبہ۔ جسے اچھی شکل و صورت کے ساتھ ساتھ دنیا سے ڈر کر رہنے کا وصف کسی اعزازی ٹرافی کی طرح ملا ہوا تھا۔

تب ہی وہ اپنے ڈر اور اندیشوں کو سنبھال کر ایسے رکھتی جیسے کسی کو گولڈ میڈل مل جائے تو اس کی حفاظت کرتا پھرتا ہے۔

تو خیریات ہو رہی تھی روشن درسگاہ کے اشتہاری بورڈ کی۔

خوش نصیب بڑی شدومد سے دعا کر رہی تھی۔

"آپ تو جانتے ہیں اللہ جی! اس اکیڈمی کا کامیابی سے چلنا کتنا ضروری ہے.... مجھے بڑا آدمی بننا ہے اور بڑا آدمی بن کر ڈھیر سارے پیسے کمانے ہیں.... تاکہ میں روشن امی کے لیے ان کا ایک ذاتی گھر خرید سکوں.... نانی کے لیے بتیسی لوں گی.... وہ جو منہ میں ایڈجسٹ ہو جاتی ہے اور بار بار نکالنی نہیں پڑتی.... اور ماہ نور کے لیے؟" ذرا سوچ بچار کی پھر دوبارہ سے دعا کا سلسلہ شروع کیا۔

"ہاں.... ماہ نور کے لیے میں تھوڑی سی سمجھ داری خرید لاؤں گی.... نانی بالکل ٹھیک کہتی ہیں.... ماہ نور تو اللہ میاں کی گائے ہے.... اور گائے میں عقل نہیں ہوتی جس طرف کو اس کا منہ موڑ دو اس طرف چل پڑتی ہے تو ماہ نور کے لیے تھوڑی سمجھ داری اور تھوڑی ہوشیاری...."

"جب سب کے لیے کچھ نہ کچھ خرید چکو تو اپنے لیے چٹکی بھر عقل بھی خرید لانا۔" جس وقت خوش نصیب سر پر دوپٹہ رکھے آنکھیں بند کیے' ہاتھ پھیلائے' تھوڑا سا منہ آسمان کی طرف اٹھائے بڑی لگن سے دعا کرنے میں مصروف تھی ٹھیک اسی وقت اس کا جملہ اچک کر بڑے خلوص بھرے لہجے میں کہا گیا۔

خوش نصیب کو دھچکا لگا وہ تو اکیلی بیٹھی اللہ میاں سے مخاطب تھی یہ منحوس کہاں سے بیچ میں کود پڑا۔ پٹ سے آنکھیں کھولیں اور اسے آم کے درخت کی سب سے اوپر والی موٹی شاخ پر نیم دراز پایا۔ اف.... اس کی آواز نے کیا کم موڈ خراب کیا تھا رہی سہی کسر اس کے دیدار نے پوری کر دی۔ اس پر مستزاد یہ کہ جان جلانے اکیلا نہیں آیا تھا۔ اپنے چیلوں کا گینگ بھی ساتھ لایا تھا۔ شیرو' ٹیپو' ٹینٹی بھی اگلی پچھلی شاخوں پر لٹکے ہوئے مطلب بیٹھے ہوئے اور دانت نکالتے نظر آ رہے تھے۔

"تم...." یہ "تم" انگلی اٹھا کر بطور خاص کیف کے لیے تھا پھر صدمے بھرے انداز میں سب کو دیکھا۔ "تم.... تم سب یہاں کیا کر رہے ہو؟" تنک کر پوچھا۔

"اندھی ہو گیا؟ دیکھ نہیں رہیں.... قیلولہ فرما رہے ہیں۔" سر کے نیچے دونوں ہاتھوں کا سرہانہ رکھے ایک ٹانگ دوسری پر رکھے وہ اتنے اطمینان سے لیٹا ہوا تھا جیسے اپنے کمرے کے بیڈ پر لیٹا ہو۔ کمبخت کو یہ بھی فکر نہیں تھی کہ ذرا سا سرکا تو دھڑام سے نیچے ہو گا۔

اور گر ہی جاتا تو اچھا تھا۔ ذرا چوٹیں ووٹیں لگتیں.... کوئی ایک آدھ ہڈی کھسکتی تو خوش نصیب کو مزہ آتا۔ وہ تو ہر وقت اسی تاک میں رہتا تھا کہ ذرا موقع ملے اور وہ شعلہ دکھا کر خوش نصیب کا دل جلانے کا بندوبست کرے۔

سارا گھر خوش نصیب سے خار کھاتا تھا اور خوش نصیب اس سے خار کھاتی۔

مطلب یہ کہ بدتمیزی' ہٹ دھرمی اور ڈھٹائی میں اگر کوئی خوش نصیب کا مقابلہ کر سکتا تھا تو وہ صرف اور صرف کیف ہی تھا۔ باقی کسی میں اتنی مجال کہاں؟

"ہائے... اف یہ کیا کہہ دیا بھائی جان!" ٹیپو سر پکڑ کر ادھ موا ہو گیا۔
"کیا؟" کیف نے ادائے بے نیازی سے چیلا نمبر ایک کو دیکھا۔
"یہی... کولہا۔"
"کولہا نہیں تیلولہ' نالائق...!" ڈپٹ کر تصحیح کی پھر جتاتی نظروں سے خوش نصیب کو دیکھا جو سر اٹھائے ان سب کو درخت پر چڑھا دیکھ رہی تھی۔ "لگتا ہے روشن درسگاہ کی نالائق استانی کے شاگرد رہے ہو۔ اسی لیے ایک معمولی لفظ سمجھ میں نہیں آیا۔" ٹیپو کسی دور میں خوش نصیب سے پڑھنے آیا کرتا تھا یہ اسی بات کی طرف اشارہ تھا۔ خوش نصیب اسے دیکھ کر یوں بھی چڑ چکی تھی یہ بات تو سر پر لگی تلووں میں جا کر بھی نہیں بجھی۔
انگلی اٹھا کر دھمکی دینے والے انداز میں بولی۔
"زبان سنبھال کر بات کرو کیف! میں قتل کردوں گی تمہیں۔"
کیف نے ذرا سی گردن ترچھی کر کے اسے دیکھا۔ گرم دوپہر میں سبز رنگ کا سوٹ پہنے شعلہ جوالہ بنی... وہ ایسے لگی جیسے ماش کی پھیکی دال کے ساتھ تیکھی سی سبز مرچ۔ کیف کو دل ہی دل میں اس مثال پر گدگدی ہونے لگی۔ تھوڑا اور رخ بدلا اور چھلانگ لگا کر اس کے عین سامنے جا کھڑا ہوا۔
"جو ہاتھ کیف الحسن کو قتل کرسکیں۔ وہ ہاتھ ابھی دنیا کے کسی سانچے میں ڈھلے نہیں... البتہ آنکھوں سے قتل کرنے کا ارادہ ہے تو معاملہ دوسرا ہے۔" وہ شرارت آنکھوں میں سمو کر اپنی مخصوص چیلنج کرتی مسکراہٹ اس کی طرف اچھال کر بولا۔
خوش نصیب نے دانت کچکچائے لیکن آنکھوں کا رخ فوراً" پھیر لیا۔ دنیا میں عشق کے نام پر جتنے بھی نقصانات ہوئے ہیں... تاریخ گواہ ہے ان کی راہ ہموار کرنے کے لیے دل نے آنکھوں کا راستہ ہی اختیار کیا ہے۔
کیف نے دیکھا غصے کے باوجود وہ سٹپٹا گئی تھی۔ اور ایسے میں کیف کو ہمیشہ اس پر ترس آجاتا تھا' سو بات بدل کر ٹینکی کو آواز لگائی۔
"اوئے ٹینکی!... کرسی سیدھی کر۔" وہ تینوں گرو جی کی ایک آواز کے ہی منتظر تھے۔ دھپ دھپ کر کے چھلانگیں لگائیں اور خوش نصیب کی کرسی اٹھا کر خدمت میں پیش کر دی۔ وہ اکڑ کر بیٹھنے لگا تو خوش نصیب کو پتنگے لگ گئے۔
"خبردار!... اس کرسی پر مت بیٹھنا۔"
"کیوں؟" کیف بیٹھتے بیٹھتے ٹھٹک کر رکا۔ "اس پر کانٹے اُگے ہوئے ہیں؟" معصوم سوال۔
"یہ میری کرسی ہے۔" چبا کر بولی۔
"تو کیف بھائی جان بھی تو آپ کے ہی ہیں... یہ کون سا غیر ہیں؟" ٹیپو معصوم بن کر بولا۔ کیف کے زوردار قہقہے نے معمولی بات کو ذو معنی بنا کر خوش نصیب کو شرمندہ ہی کر دیا۔ وہ کیف سے ہمہ وقت ناراض رہتی تھی اس وقت اور بھی بھڑک گئی۔
"ٹیپو کے بچے!... چپ رہو۔" وہ غرائی۔
کیف کی ہنسی تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ "بچہ ہے... اس کے بچوں کو تو بخش دو۔" خوش نصیب کا دل چاہا ہاتھ میں پکڑا رجسٹر ہی اس کے منہ میں ٹھونس دے کسی طرح اس کی کمینی ہنسی کی آواز تو بند ہو۔
"اٹھو میری کرسی سے... میرے ابو نے یہ کرسی اس لیے نہیں خریدی تھی کہ اس پر اونگے بونگے ڈگ بیٹھتے پھریں۔"
"اب اگر تیرا میرا ہی کرنا ہے تو پہلے ہمارے درخت پر سے اپنی اکیڈمی کا بورڈ ہٹاؤ..." وہ اکڑ کر بولا۔ "میرے بابا

نے بھی درخت اس لیے نہیں لگوایا تھا کہ لوگوں کی اوٹ پٹانگ اکیڈمیز کے بورڈ اٹھاتا پھرے۔" یہ سیر تھی تو وہ سوا سیر۔ کسی بات پر چوکنا تو سیکھا نہیں تھا ان دونوں نے۔
"تمہارے بابا میرے تایا بھی ہیں... ان کا جو کچھ ہے وہ میرا بھی ہے۔" حالاں کہ وہ دل سے جانتی تھی کہ یہ بات سراسر غلط ہے۔ لیکن اس وقت حقائق سے زیادہ اہم کیف کو منہ توڑ جواب دینا تھا سو اس نے دیا اور ڈنکے کی چوٹ پر دیا۔
"اور تمہارے ابو میرے چچا بھی تھے... ان کی خریدی ہوئی کرسی پر پہلا حق میرا ہے۔"
"آہا... تم آگئے پتا نہیں کہاں سے حق جتانے... پہلے ہی میرے ابا کے ترکے پر تم سب سانپ بن کر بیٹھے ہوئے ہو... ظالم، حریص۔"
"خوش نصیب...!" خوش نصیب کی آواز کا گلا روشن امی کی دھاڑ نے دبایا۔ وہ کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو گئی تھی اور جذباتیت میں آواز کہاں قابو میں رہتی ہے۔ باہر آتی روشن امی جہاں اس کی آواز سن کر ششدر ہوئی تھیں۔ وہیں ان کے پیچھے آتی صباحت تائی جان کو پتنگے ہی لگ گئے۔
"اے لڑکی! زبان کو لگام دو... ہم کیوں تمہارے باپ کے ترکے پر بیٹھیں گے..." وہ تنک کر بولیں۔ "اللہ تمہارے باپ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے... لیکن مرتے ہوئے اس نے چھوڑا ہی کیا تھا جس کے بل بوتے پر اتنا اکڑ رہی ہو۔"
"میرا منہ مت کھلوائیں تائی جان!... آپ خود بھی اچھی طرح جانتی ہیں ابو نے کیا چھوڑا تھا اور کیا نہیں۔" اسے کسی کا لحاظ نہیں تھا، تلخ جواب دینا تو جیسے فرض تھا اس پر۔
"خوش نصیب! اپنی آواز بند رکھو۔" امی کا خوب صورت چہرہ غصے اور ناپسندیدگی سے لال ہو رہا تھا۔
"اس کی آواز کیوں بند کرواتی ہو؟ ارے اس کی آواز بند ہونا ہوتی تو جس روز پیدا ہوئی تھی خود ہی مر جاتی۔ اس کی نحوست تو اس کے باپ کو کھا گئی۔ جس روز پیدا ہوئی اگلے روز گھر سے باپ کا جنازہ نکلا... ایسے کالے کرموں والی ہے یہ۔" خوش نصیب کا چہرہ غصے اور توہین سے سرخ پڑ گیا۔
کیف سٹپٹا کر ماں کی طرف لپکا۔
"اوفوہ امی!... آپ کیا پرانی باتیں لے کر بیٹھ گئی ہیں... چلیں میرے ساتھ اندر۔"
"پرانی باتیں کہاں... مجھے تو کل کی بات لگتی ہے... کیسا میرا شیر جوان دیور تھا... جب اس کا جنازہ اٹھا کوئی آنکھ نہیں تھی جس سے آنسو نہ نکلے ہوں۔" وہ بولتی جا رہی تھیں کیف انہیں زبردستی لے کر اندر کی طرف بڑھ گیا۔ دروازے کے پاس پہنچ کر اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ خوش نصیب وہیں کھڑی کھا جانے والی نظروں سے اسے جاتا ہوا دیکھ رہی تھی۔
کیف نظر نہ ملا سکا۔ جلدی سے اندر چلا گیا۔
اب کھلے صحن میں آم کے درخت کی چھایا تلے خوش نصیب اور روشن امی تنہا رہ گئی تھیں۔ ٹیپو، ٹینکی اور شیرو ماحول کو گرم ہوتا دیکھ کر پہلے ہی تتر بتر ہو چکے تھے۔ روشن امی نے لال انگارہ آنکھوں سے خوش نصیب کو دیکھا۔
"دنیا تماشا دیکھ کر محظوظ ہوتی ہے خوش نصیب!... ہم پہلے ہی بہت بے بس ہیں... ہمیں دنیا کے لیے تماشا مت بناؤ۔" ان کی آواز نرم لیکن دکھ سے لبریز تھی۔ خوش نصیب کا دل چاہا وہ مر ہی جائے۔
"سمیٹو یہ کاٹھ کباڑ اور اندر چلو... دوبارہ یہ بورڈ مجھے یہاں نظر نہیں آنا چاہیے۔" انہوں نے دوٹوک انداز میں کہا اور تھکے تھکے انداز میں چلتی اندر چلی گئیں۔
خوش نصیب کے اندر غصے اور بغاوت کا طوفان سر اٹھانے لگا۔ اس نے جھپٹ کر بورڈ درخت کے تنے سے

اتارا اور زمین پر پٹخ دیا۔
اور یوں روشن درسگاہ اپنے قیام کے پہلے ہی دن ہمیشہ کے لیے بند کردی گئی۔

☆ ☆ ☆

پہاڑی پرندوں کی خوشنما آوازوں سے بھری ڈھلتی ہوئی مٹیالی شام قلعہ فلک بوس کی چمنیوں سے سرکتی ہوئی عمارت کی دوسری منزل پر اتری اور رینگتی ہوئی اس کمرے میں داخل ہوئی جو چاروں طرف سے کتابوں کی الماریوں سے آباد تھا۔ کمرہ بہت بڑا تھا کونے میں ایک میز پڑی تھی۔ جس کے دوسری طرف ایک خوش شکل نوجوان بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے میز پر بہت سے کاغذات بکھرے تھے' کچھ توڑ مروڑ کر کے فرش پر پھینکے گئے تھے۔ میز پر ایک ٹیبل لیمپ اور کمپیوٹر سسٹم رکھا ہوا تھا۔
وہ میز پر جھکا بڑے انہماک سے کچھ لکھنے میں مصروف تھا۔ خوب صورت پیشانی پر بال بکھرے ہوئے تھے۔ چہرے مہرے سے بہت ذہین دکھائی دیتا تھا۔ سیاہ فریم کا نظر کا چشمہ اس کے چہرے پر بھلا معلوم ہوتا تھا اور مناسب قد کاٹھ اس کی شخصیت کو ایک وقار بخش رہا تھا۔ داہنی ہاتھ پر ایرانی طرز کی ایک بڑی سی کھڑکی تھی۔ جس سے ڈھلتی ہوئی شام کے نارنجی رنگ ترچھے ہو کر اس کے جسم پر پڑ رہے تھے۔ اور سر کے بالوں کے سرے بھورے بھورے سے دکھائی دیتے تھے۔
جب وہ کافی دیر لکھ چکا تو اس نے پین بند کر کے کاغذات پر رکھ دیا۔ اب وہ تھکا ہوا دکھائی دینے لگا تھا۔ دراصل وہ ایک مصنف تھا۔ کہانیاں بننا اور لکھنا اس کا بچپن کا شوق اور اب ذریعہ معاش تھا۔ یہ اس کی زیر طبع کتاب کا آخری حصہ تھا جس کا مسودہ کچھ روز میں مکمل کر کے اسے پبلشر کو بھجوانا تھا۔ اگلے چند روز تک شام میں بارشوں کا سلسلہ شروع ہو جانے کا امکان تھا۔ اور اس دوران شہر تک جانے والے راستے لینڈ سلائیڈنگ کے ڈر سے بند کر دیے جاتے تھے۔ اسے یہی فکر تھی کہ بارشوں سے پہلے یہ آخری حصہ مکمل ہو جانا چاہیے۔ انگلی اور انگوٹھے کی مدد سے اپنی آنکھوں کو مسلتے ہوئے سر پیچھے کرسی کی پشت سے لگا کر ستانے لگا۔ تھکاوٹ کے باوجود وہ پرسکون دکھائی دے رہا تھا۔
"وسامہ ....!" اچانک اس کی سماعت سے اس کی بیوی کی کھنکتی ہوئی آواز ٹکرائی۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
"میں جانتا تھا.... تم مجھ سے لاکھ ناراض سہی.... میری خبر گیری کے لیے ضرور اوپر آؤ گی۔" آنکھیں بند کیے وہ متبسّم لہجے میں بولا اور گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ اگلے ہی پل وہ بری طرح چونکا مسکراہٹ اس کے چہرے سے غائب ہوئی۔ کمرے میں وہ اکیلا تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ ششدر رہ گیا اس نے آئے کت کی آواز بہت واضح سنی تھی۔ یہ اس کا وہم نہیں ہو سکتا تھا۔
اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال آیا تو اس نے جلدی سے ہاتھ مار کر ٹیبل لیمپ جلا دیا۔ کمرے میں ابھی شام کے رنگ باقی تھے جو ٹیبل لیمپ جلنے سے ماند پڑ گئے۔
اس نے سرعت سے میز کے ساتھ رکھی بیساکھی اٹھائی۔ اضطراب بھرے انداز میں بکل کھول کر اسے اپنی ٹانگ کے ساتھ باندھا اور جلدی سے باہر نکل آیا۔ کمرے کے آگے طویل برآمدہ نما راہداری خاموشی میں ڈوبی ہوئی تھی اور قلعہ فلک بوس کا اسرار بیدار ہوتی ہوئی رات کے ساتھ چاروں طرف پھیلنے لگا تھا۔
"وسامہ !...." قلعہ فلک بوس کی خاموشی میں آئے کت کی آواز کسی سرگوشی کی مانند ایک بار پھر وسامہ کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔ اس بار اس کا دل دہشت سے بھر گیا۔ وہ بیساکھی کے سہارے جس قدر تیز چل سکتا تھا

اسی قدر تیزی کے ساتھ سیڑھیوں کی طرف بڑھنے لگا لیکن خوف نے جیسے اس کی ہمت سلب کرنا شروع کر دی تھی۔

ایک ان دیکھا ہیولہ سانپ کی طرح سرکتا اس کے تعاقب میں چلا آرہا تھا۔ وسامہ اپنے پورے جسم کی طاقت لگا کر جس قدر تیزی سے بھاگ سکتا تھا بھاگا۔ جس قدر سرعت سے گول طرز کی سیڑھیاں اتر سکتا تھا اترا۔ آخری پانچ سیڑھیوں پر وہ حواس باختہ ہو کر پھسلا اور منہ کے بل فرش پر گرا۔ خوف اور تکلیف سے ملی جلی کراہیں اس کے لبوں سے برآمد ہوئی تھیں۔

"وسامہ....!" اب یہ آواز اس نے بالکل اپنے قریب سنی۔ دہشت زدہ ہو کر سر اٹھایا۔ آئے کت اس کے سامنے کھڑی ہکا بکا اسے فرش پر گرا ہوا دیکھ رہی تھی۔ اس کی آواز اب وہم بن کر وسامہ کی سماعت سے نہیں ٹکرائی تھی بلکہ وہ مجسم اس کے سامنے کھڑی تھی اور اس کے عقب میں دیوار گیر کھڑکی کے باہر پوری تاریخوں کا بڑا سا طلوع ہوتا ہوا چاند دکھائی دے رہا تھا۔ اور پہاڑی پرندوں کی خوشنما آوازوں سے بھری ڈھلتی ہوئی مٹیالی شام جو قلعہ فلک بوس کی چمنیوں سے سرکتی ہوئی عمارت کی دوسری منزل پر اتری تھی، دہشت زدہ پراسرار رات میں ڈھل چکی تھی۔

✡ ✡ ✡

کیف اندر آکر ناراض ہوا۔ "آپ بھی کمال کرتی ہیں امی! کیا ضرورت تھی اتنا بولنے کی؟" اس کا لہجہ جھنجلایا ہوا ضرور تھا مگر بدتمیز نہیں۔ زبان دراز تو وہ صرف خوش نصیب کے لیے تھا باقی سب کے لیے تو اچھا بچہ تھا۔

"ہاں تو کیوں نہ بولتی؟" وہ تنک کر بولیں۔ "اس لڑکی کی زبان نہیں دیکھی.... کیسی فر فر چل رہی تھی؟"

اب اس بات کے جواب میں کیف کے پاس کافی دلائل تھے مگر چپ ہی رہا.... بتایا ناں وہ اچھا بچہ تھا۔

"اب کیا کر دیا خوش نصیب نے؟" فہمینہ کتابیں اٹھائے اندر آرہی تھی۔ کیف حیران ہوا۔

"تمہیں کیسے پتا خوش نصیب کی بات ہو رہی ہے؟"

"گھر میں ایک ہی تو لڑکی ہے.... جس کی زبان فر فر چلتی ہے۔" اس نے ہنس کر اور قدرے شرارت سے کہا اور چونکہ ماں کی طرح خوش نصیب کے لیے دل میں عناد نہیں تھا سو برے طریقے سے بھی نہیں کہا۔ کیف اور وہ دونوں مل کر اس بات پر ہنسے پھر کیف نے کہا۔

"خوش نصیب کو تو خوامخواہ امی اور فضیلہ چچی نے بدنام کر رکھا ہے.... گھر کی باقی لڑکیاں کسی سے کم ہیں کیا؟"

"اے لڑکے! خبردار جو میری فہمینہ کو اس لڑکی سے ملایا۔" صباحت بیگم برا ہی مان گئیں۔

"اوہو امی!.... آپ بھی سیریس ہو جاتی ہیں.... کیف مذاق کر رہا ہے۔"

"کوئی مذاق وذاق نہیں کر رہا۔" وہ متبسم لہجے میں لیکن قدرے سنجیدگی سے بولا۔ "منہا اور صیام بولتے ہوئے کسی کا لحاظ رکھتی ہیں کیا؟ من مانیاں کرنے میں ان سے کوئی آگے نہیں نکل سکتا.... فرق صرف اتنا ہے کہ ان دونوں کی بدتمیزیوں پر پردے ڈال دیے جاتے ہیں اور خوش نصیب کی ہر چھوٹی بڑی بات کو چار سے ضرب دے کر بتایا اور محسوس کیا جاتا ہے۔"

اس نے بڑا صحیح قسم کا تجزیہ سامنے رکھ دیا تھا۔ صباحت بیگم دل میں قائل ہوئیں لیکن جس تصویر کو ایک ہی رخ سے دیکھنے کی عادت برسوں پرانی ہو، اس تصویر کے کسی دوسرے رخ کی نشاندہی کر بھی دی جائے تو کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ انسان پرانی باتوں، پرانی یادوں اور پرانے تجزیوں کے ساتھ رہنا پسند کرتا ہے۔

"کیف بالکل صحیح کہہ رہا ہے امی!" فہمینہ نے کہا۔

"ارے بھئی... وہ دونوں جانیں اور ان کے ماں باپ... ہمیں کیا پڑی ہے کہ کسی کو سدھارتے پھریں۔" انہوں نے نظریں چرا کر کہا تھا۔

"اگر یہی بات ہے تو خوش نصیب کو بھی اس کے حال پر چھوڑ دیں۔" اس نے ماں کی پیشانی کے بلوں کو کن اکھیوں سے تاڑتے ہوئے آہستگی سے کہا مبادہ وہ برا ہی مان جائیں۔

"ارے ایسے کیسے اس کے حال پر چھوڑ دیں... باپ سر پر ہے نہیں اور اس کی اماں کو معصوم بن کر ہمدردیاں بٹورنے کا اتنا شوق ہے کہ بس..." وہ بری طرح چڑی ہوئی تھیں "کل کلاں اپنی ضدی فطرت کے ہاتھوں کوئی گل کھلا بیٹھی تو دنیا کو کیا منہ دکھائیں گے ہم۔"

"اوہو... پلیز امی!... آپ بات کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہیں۔" فہمینہ چڑ کر بولی۔ "گھر میں ایک اکیڈمی ہی تو شروع کرنا چاہ رہی ہے... اس میں کون سی قیامت آجائے گی جو آپ اور فضیلہ چچی اس کے پیچھے ہی پڑ گئی ہیں۔"

"گھر میں نت نئے لوگ آئیں گے... ہمیں نہیں پسند یہ سب... تم بتاؤ کیف! کیا میں غلط کہہ رہی ہوں۔" ان کا خیال تھا ابھی کیف نے خوش نصیب کی اکیڈمی کے افتتاح میں جو رخنہ ڈالا تو اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ بھی ان ہی کا ہم نوا ہے۔ لیکن یہ ان کی غلط فہمی تھی۔

"بالکل غلط... سو فیصد غلط..." اس نے فوراً کہا۔

"ہاں ہاں! تمہیں تو ماں ہی غلط لگے گی۔"

"امی!..." فہمینہ نے کہنا چاہا۔

"اچھا بس!... اب زیادہ اس کی طرف داری کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" انہوں نے فوراً دونوں کو ہی ٹوک دیا۔ "ایسے منہ بھر بھر کے ہم سب کو کوس رہی تھی۔ میرا تو دل چاہا زبان ہی کھینچ لوں... منحوس کرموں جلی..." وہ اٹھ کر اپنی چپل تلاش کر کے پہننے لگیں۔

"اب کہاں جا رہی ہیں؟" فہمینہ نے پوچھا۔

"ذرا فضیلہ کے پاس بیٹھ کر آتی ہوں..." وہ باہر نکل گئیں۔

کیف جھنجلا گیا۔ "ان کے دل میں پہلے ہی خوش نصیب کے لیے اتنی ناپسندیدگی ہے... اب فضیلہ چچی کے پاس ایک گھنٹہ بیٹھ کر آئیں گی اور چار نئے اعتراضات اٹھا لائیں گی۔"

"تمہیں کیا فکر ہے؟" فہمینہ نے جلدی سے کہا۔ "امی اور فضیلہ چچی جتنے مرضی اعتراضات تیار کر لیں۔ بہو تو خوش نصیب امی کی ہی بنے گی۔" اس نے شرارت سے کہا تھا۔ کیف کے ہونٹوں کے کنارے کانوں تک پھیل گئے خوب زور دے کر بولا۔

"ان شاء اللہ..." پھر دونوں ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسنے لگے۔

"اچھا سنو کیف...!" وہ جانے لگا تو فہمینہ نے کہا۔ "کسی وقت فارغ ہو تو ماموں سے مل آنا... آج بھی میں کتابیں لینے گئی تو تمہارا پوچھ رہے تھے۔" کیف نے بے اختیار سر پر ہاتھ مارا۔ "یار! میں بھول ہی گیا... انہوں نے پرسوں سے بلا رکھا ہے... وہ تو بہت ناراض ہوں گے۔"

"فکر مت کرو... وہ عرفات ماموں ہیں... ناراضی کا لفظ ان کی ڈکشنری میں نہیں ہے۔" مسکرا کر کہتے ہوئے وہ ساتھ لائی کتابیں بک ریک کے شیلف پر سیٹ کرنے لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ ایک چمکیلی صبح تھی جو بروکلن ہائٹس کے اس پارک پر جھک آئی تھی۔ پچھلی رات بارش برسی تھی لیکن اس

وقت آسمان بالکل صاف ہو چکا تھا۔ اور ہوا میں بارش کی خوشبو محسوس ہوتی تھی۔ جاگنگ ٹریک خشک ہو چکا تھا لیکن گھاس میں کہیں کہیں نمی موجود تھی۔

منفرا اور فی بی (FIBI) دور سے جاگنگ کرتی ہوئی آئیں اور اپنے مخصوص بینچ کے پاس رک گئیں۔ بلکہ منفرا رک گئی۔ فی بی کے پاؤں اور ہاتھ تو ابھی بھی "حرکت جاگنگ" میں تھے۔ اس نے مڑ کر سوالیہ نظروں سے منفرا کو دیکھا۔ تو اس نے ہاتھ اٹھا کر منع کر دیا۔

"بس..." وہ تھک چکی تھی اس کی سانس پھول رہی تھی۔ وہ جھکی اور گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اپنی سانس بحال کرنے لگی۔

"مام کو لگتا ہے اگر میں ایک دن جوگنگ نہیں کروں گی تو مزید موٹی ہو جاؤں گی۔" وہ سخت بیزار لگ رہی تھی۔

"اوہ کم آن... تم موٹی نہیں ہو۔" فی بی اب وہیں کھڑی ایکسر سائز کرنے لگی۔ ہاتھوں پاؤں کو اوپر نیچے دائیں بائیں گھما رہی تھی۔ کبھی ایک ہاتھ کمر پر رکھ کر دوسری طرف کو جھک جاتی اور اس حد تک اپنے جسم کو گول کرتی کہ تیر کمان کی کمان لگنے لگتی۔ اور کبھی ٹانگ پھیلا کر See saw کی طرح اوپر نیچے ہوتی۔

"ان فیکٹ یو ہیو آ ویری گڈ فگر۔" فی بی نے بات جاری رکھی۔ "کل ہی جوزف ارنسٹ سے کہہ رہا تھا... منفرا جیسا فگر پوری کلاس میں کسی دوسری لڑکی کے پاس نہیں ہے۔" منفرا نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اپنی عزیز ترین سہیلی کو دیکھا۔ اس طرح کرنے سے اس کی اونچی پونی ٹیل لہرائی اور اس کی گردن کے گرد بل کھا گئی۔ جس سوسائٹی کی وہ دونوں پروردہ تھیں وہاں اس طرح کے کامپلیمنٹس ملنے پر خوش ہوا جاتا ہے۔ لیکن منفرا کو ماں کا رد عمل یاد کر کے ہنسی آ گئی۔

"یہ بات اگر میری امی نے سن لی تو وہ میرا کالج جانا بند کروا دیں گی۔" اس نے متبسم لہجے میں کہا تھا۔

"آئی نو شی از ویری کنزرویٹو۔" فی بی نے بھی روٹین کی طرح کہا تھا۔

"نو شی از ناٹ۔" منفرا نے ترنت کہا۔

"وہ مشرقی معاشرے کی پیداوار ہیں اور مشرق میں ایسی باتیں تہذیب کے خلاف مانی جاتی ہیں... لیکن خیر... تم نہیں سمجھو گی۔"

"کیوں؟... میں کیوں نہیں سمجھوں گی؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"کیونکہ تم کبھی مشرق نہیں گئیں۔" منفرا نے کندھے اچکا کر کہا۔

"میں انٹرسٹڈ بھی نہیں ہوں... تمہارا پاکستان تمہیں ہی مبارک ہو۔" چونکہ منفرا اس کی دوست تھی تو مشرق اس کے لیے بس پاکستان ہی تھا۔

"اوئے... میرے پاکستان کو کچھ مت کہنا..." منفرا نے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔ فی بی زور سے ہنس پڑی۔

"ساری دنیا کہہ رہی ہے... ایک میرے کچھ کہہ دینے سے کون سی قیامت آ جائے گی؟..." پھر دوبارہ وارم اپ کرنے لگی۔

"میں ایک اور راؤنڈ لگا لوں۔" اس نے بحث ہی سمیٹ دی۔

منفرا مسکرائی اور اثبات میں سر ہلا دیا۔ فی بی نے اسے بتایا تھا اجازت تو نہیں مانگی تھی کہ جواب کا انتظار کرتی۔ وہ پہلے ہی ٹریک پر دوڑنے لگی تھی۔ منفرا ٹریک اور گھاس کے قطعہ کے درمیان پھولوں کی باڑھ عبور کر کے بینچ پر بیٹھ گئی۔

یہ ان دونوں کا اپنی کئی سالوں کی دوستی بچانے کا بہترین طریقہ تھا۔ جیسے ہی بات ملکی حدود سے نکل کر دہشت گردی اور سیاست تک پہنچتی... دونوں میں سے کوئی بھی بات ہی بدل دیتا۔ یوں نہ بحث طول پکڑتی نہ دوستی کے

شفاف شیشے میں دراڑ پڑنے کا خدشہ جنم لیتا۔ منفرا یہی سب سوچتی بینچ پر بیٹھ کر آتے جاتے لوگوں کا جائزہ لینے لگی۔
یہ اس کا شروع دن کا معمول تھا۔ ہمیشہ جاگنگ اور ایکسر سائز کے بعد وہ کچھ دیر بیٹھ جاتی اور لوگوں کے چہرے پڑھنے کی کوشش کرنے لگتی۔ کچھ چہروں پر اسے بہت سی کہانیاں مل جاتیں۔ کچھ یونہی خاموش خاموش سے محسوس ہوتے۔ کچھ کے چہرے سے مایوسیاں جھلکتیں اور کہیں اسے خوشیوں کے رنگ بکھرے ہوئے نظر آتے۔
انسانوں کے چہروں سے ان کی نفسیاتی الجھنوں کا سراغ لگانے کی کوشش ایک ایسا مشغلہ تھا جو خود اس کی بے ضرر سی نفسیاتی گرہ بنتا جا رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ یہ خیال آنے پر محظوظ ہوتی تھی پھر سوچتی۔ وہ کراس کلچرل سائیکالوجی پڑھ رہی تھی۔
سینٹ فرانسس کالج کی ذہین اور محنتی لڑکیوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ اسکالر شپ پر اسے ایڈمیشن ملا تھا اگر یہ نہ ہوتا تو امی کبھی اسے اتنے مہنگے کالج میں ایڈمیشن لینے اور نیویارک جیسے مہنگے ترین شہر میں بھجوانے پر راضی نہ ہوتیں۔ مطلب یہ کہ وہ انتہائی قابل لڑکی تھی اور قابلیت صرف اسائنمنٹس اور کتابوں تک ہی تو محدود نہیں ہوتی ہے۔ عام زندگی میں بھی نظر آتی ہے۔ تو اس کی قابلیت یہ تھی کہ وہ چہرے پڑھنے لگی تھی۔ اس کا گمان تھا کہ اس کے لگائے ہوئے اندازے ستر فیصد درست ثابت ہوتے ہیں اور اس کا خیال تھا باقی تیس فیصد پر وہ محنت نہیں کرتی۔ اگر کرتی تو اتنا مارجن بھی نہ چھوڑتی۔
یہی سب سوچتے وہ بینچ کی بیک سے ٹیک لگا کر ستانے لگی تو اسے سامنے والے ٹریک پر جاگنگ کرتا ہوا کوئی دکھائی دیا۔ منفرا غیر ارادی طور پر ایک دم سے سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اور بالکل لاشعوری طور پر اس کی طرف دیکھنے لگی۔
اس نے گرے کلر کا اپر پہن رکھا تھا اور اپر کا ہڈ چہرہ چھپا رہا تھا۔ مگر منفرا اسے جانتی تھی۔ یہی ایک چہرہ تھا جس کی گتھی سلجھانا تو دور کی بات منفرا اس کا پتا بھی نہ لگا پائی تھی۔ وہ اکثر اسے پارک میں دیکھتی۔ جاگنگ ایکسر سائز کرتے ہوئے نظر آجاتا۔ کبھی پارکنگ میں تو کبھی ٹیلی فون بوتھ کے پاس منفرا کو یقین تھا باقی لڑکیاں بھی اس کی ٹوہ میں رہتی ہوں گی۔ وہ مہنگے جوتے پہنتا تھا۔ ڈیزائنر ٹریک سوٹ ہوتا تھا اس کا۔
پھر وہ ہینڈسم تھا۔ ستائیس اٹھائیس سال عمر ہوگی یا ممکن ہے بتیس، تینتیس سال کا ہو۔ بہر حال اس سے زیادہ کا نہیں تھا۔ بظاہر کسی کو لفٹ بھی نہیں کرواتا تھا یعنی اس میں وہ ہر خصوصیت تھی جو لڑکیوں کو متوجہ کرنے کا سبب بن سکتی ہے۔ لیکن منفرا کا دلچسپی کا پہلو وہ اسرار تھا جو اس بندے کی شخصیت میں جھلکتا تھا۔
گو کہ اس نے ہمیشہ اسے بہت فاصلے سے دیکھا تھا پھر بھی وہ پر اسرار لگتا۔ اور اسرار میں کشش ہوتی ہے۔
دو چار بار وہ سینٹ فرانسس میں بھی نظر آیا۔ بعد میں پتا چلا وہ منفرا کے کلاس میٹ ایرک کے بیسٹ فرینڈ مبین کا سیکنڈ کزن تھا۔ اس کا نام معاویہ اردشیر ازی تھا۔ ایرک کہتا تھا مبین اس کے بارے میں جو کہانی سناتا ہے وہ بہت دلچسپ ہے۔ منفرا نے ابھی تک وہ کہانی نہیں سنی تھی لیکن ایرک کہہ رہا تھا تو یقیناً" اس میں کچھ دلچسپی ہو گی۔ ویسے بھی ایرک بہت بہترین داستان گو تھا۔ وہ یہ کہانی سناتا تو یقیناً" اسے سننے میں لطف آتا۔ وہ اس کے سامنے سے گزر کر مین گیٹ کی طرف چلا گیا۔ تب ہی نی بی واپس آگئی۔
"یہ تو ایرک کا کزن ہے ناں؟" نی بی بھی اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔
"نہیں... ایرک کے فرینڈ کا کزن ہے۔" منفرا نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔
"اس کی بیوی کا کچھ پتا چلا؟" نی بی نے منفرا سے پوچھا۔
"بیوی؟" منفرا کو یہ لفظ سن کر شاک لگا یہ ایسا ہی ردعمل تھا جیسے کسی کے بارے میں کوئی غیر متوقع بات پتا چلے تو لگتا ہے۔ "از ہی میرڈ؟"

"ہاں... ایرک بتا رہا تھا لیکن اس کی بیوی اب اس کے ساتھ نہیں رہتی۔"
"کیا مطلب؟"
"یار! بڑی ٹریجڈی ہوئی ان دونوں کے ساتھ۔"
"کیسی ٹریجڈی؟"
"چھوڑو یار! دوسروں کی ٹریجڈیز... کے بارے میں جان کر ہم کیا کریں گے... یہاں تو جس کی زندگی کھول کر دیکھو کوئی نہ کوئی ٹریجڈی ضرور ملے گی۔" ٹی بی۔ جیب سے چھوٹا سا رومال نما تولیہ نکال کر اپنی گردن اور چہرے کا پسینہ پونچھنے لگی۔ پھر بولی۔
"چلیں؟... مجھے ٹیمی کے ساتھ کلارک اسٹریٹ جانا ہے... سنا ہے وہاں تمام فیمس برانڈز پر 50%off سیل لگی ہوئی ہے... مجھے اپنے لیے کوٹ خریدنا ہے۔"
"چلو..." منفرا اٹھ کھڑی ہوئی۔

☼ ☼ ☼

خوش نصیب کرسی پر سر جھکائے، منہ سجائے، بازو باندھے بیٹھی تھی۔
ماہ نور دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑی تھی، روشن امی پلنگ کے کنارے پر ذرا سا پہلو ٹکائے بیٹھی تھیں۔
بوڑھی بیمار نانی تکیے سے ٹیک لگائے نیم دراز تھیں اور پتا نہیں جاگ رہی تھیں کہ سو چکی تھیں۔ خوش نصیب کو تو صرف اتنا پتا تھا تینوں کی تینوں مسلسل اسے ملامتی نظروں سے گھور رہی ہیں۔
وہ ناراضی کے اظہار کے طور پر چپ تھی لیکن زیادہ دیر تک چپ رہنا اس کی طبیعت کے خلاف تھا۔ سو تھک ہار کر سر اٹھایا اور سب کو دیکھا اور نروٹھے پن سے بولی۔
"اب کیا آنکھوں سے آگ نکال نکال کر آپ لوگ مجھے بھسم کر دیں گے؟... کہہ تو رہی ہوں، غلطی سے منہ سے بات نکل گئی..."
"کیسے منہ سے بات نکل گئی؟" ماہ نور نے کہا۔ "میرے منہ سے تو آج تک کوئی بات غلطی سے نہیں نکلتی۔"
اپنے خوب صورت نقوش کی طرح اس کا لہجہ بھی دھیما تھا۔
خوش نصیب نے طنز سے اسے دیکھا۔ "تمہارے منہ سے لفظ باہر نکل آتے ہیں یہی بڑی بات ہے۔"
"اب بڑی بہن سے بدتمیزی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" روشن امی نے ڈپٹ کر کہا۔ "جاؤ اور اپنی تائی جان سے معافی مانگ کر آؤ۔"
"کیوں جاؤں؟" وہ روٹھی ہو کر بولی۔ "ایسی کون سی بڑی بات کہہ دی میں نے... اور اگر کچھ کہہ بھی دیا تو تائی جان نے بھی تو مجھے کتنی باتیں سنائی تھیں حساب برابر۔"
"وہ بڑی ہیں کہہ سکتی ہیں۔"
"بڑوں کو حق ہوتا ہے جیسے چاہے چھوٹوں کی بے عزتی کریں؟"
"کیا وہ آکر معافی مانگیں گی تم سے؟"
"یہ میں نے کب کہا؟... صرف یہ کہہ رہی ہوں معافی نہیں مانگوں گی۔" اس نے ہٹ دھرمی سے کہا تھا۔
"اور ویسے بھی زیادہ غلطی اس کیف چوہے کی ہے" آیا کہیں کا کرائم رپورٹر۔ کس نے کہا تھا میرے معاملے میں خلل دے... پتا نہیں کہاں سے آگیا اپنی پوری ٹیم اٹھا کے۔" وہ بڑبڑا رہی تھی۔

"آپ مانیں یا نہ مانیں روشن امی! کیف جان بوجھ کے مجھے تنگ کرتا ہے... کسی دن واقعی قتل ہو جائے گا میرے ہاتھوں۔" دانت کچکچا کر کہا تھا۔
"ٹھیک ہے... تم نہیں جاتیں تو میں چلی جاتی ہوں" روشن گہری سانس بھر کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔
"اس سے پہلے کہ گھر کے مردوں تک بات پہنچے... کسی نہ کسی کو تو معافی مانگنا ہی پڑے گی۔" وہ دروازے کی طرف بڑھیں۔ خوش نصیب جلدی سے بھاگ کر ان کے سامنے آگئی۔
"کیوں جذباتی ہو رہی ہیں... تایا ابو کے آنے تک تو تائی جان سب کچھ بھول بھی چکی ہوں گی۔"
"آج تک وہ کوئی بات بھولی ہیں جو اب بھولیں گی؟" روشن امی نے جھنجلاہٹ بھری بے بسی کے ساتھ کہا تھا۔ "اور اگر وہ بھول بھی گئیں تو فضیلہ انہیں یاد دلا دیں گی... ہماری غلطیاں یاد رکھنے کے لیے اس گھر میں پورا ایک دفتر موجود ہے۔" وہ کچھ تلخی سے کہہ گئی تھیں۔
"دیکھا... یہی بات تو میں آپ کو سمجھانا چاہتی ہوں۔" خوش نصیب نے ہتھیلی پر ہاتھ مار کر کہا۔ "جہاں صرف ہماری غلطیوں کا حساب رکھا جاتا ہے وہاں ہم کیوں رہیں؟ ابو کی وفات کے بعد سے کتنی خدمت کی ہے آپ نے ان سب لوگوں کی اور بدلے میں کیا مل رہا ہے... سوائے لعنت ملامت کے؟"
"تو میں کیا کرتی؟ دو بیٹیوں کو لے کر دنیا میں اکیلی نکل جاتی؟" انہوں نے ناراضی سے پوچھا۔ "لعنت ملامت مل رہی ہے تو سر پر چھت بھی تو ہے... اور یہ بھی غنیمت ہے' بھائیوں نے یہاں سے نکل کر اپنی اپنی زندگیاں بسالیں... بوڑھی ماں کا بھی خیال نہیں کیا... میں کہاں جا کر ان سے اپنے اور اپنی بیٹیوں کے لیے سوال کرتی۔" ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔
"آپ اللہ کے بھروسے کوئی اسٹینڈ تو لیتیں۔" اس نے آہستگی سے کہا۔ "دنیا میں جس کا کوئی نہیں ہوتا روشن امی!... اس کا بھی اللہ ہوتا ہے۔"
"اللہ کے بھروسے ہی بھائیوں کا گھر چھوڑ کر نکلی تھی... تمہارے تایا بھی سہارا نہ دیتے تو کہاں لے کر جاتی میں تم دونوں کو۔"
"آپ اس احسان مندی کے چکر سے کبھی باہر نہیں آسکتیں۔"
"تم سمجھتی کیوں نہیں ہو خوش نصیب! یہ سب ہمارے اپنے ہیں اور اپنا مارتا ہے تو بھی چھاؤں میں ہی ڈالتا ہے۔" وہ عاجز ہو کر بولی تھیں۔
"ماشاء اللہ..." خاصا طنز بھرا ماشاء اللہ تھا۔ "کوئی دیکھے تو سہی... کس قدر خوب صورت چھاؤں میں ڈالا ہوا ہے ہمیں... ہمارے اپنوں نے گھر کا سب سے گندا کمرہ ہمیں دیا گیا ہے۔ بارش ایک دن ہو یا دس دن... پہلی بوند کے ساتھ چھت ٹپکنا شروع ہو جاتی ہے... معمولی سے اخراجات کے لیے انتظار کرنا پڑتا ہے کہ کب تایا ابو اور چچا کی جیب اجازت دے اور ہمیں بھی اپنی ضروریات پوری کرنے کا موقع ملے... مجھے نہیں یاد پڑتا روشن امی! میرے اسکول کالج کی فیس کبھی ایک دفعہ مانگنے پر ملی ہو..."
"ہاں کبھی ایک بار مانگنے پر فیس نہیں ملی... لیکن مل تو جاتی تھی۔"
"آپ کے جتنی صابر میں مرتے دم تک نہیں ہو سکتی۔" گہری سانس بھر کر کہا اور یہ پچھتاوا نہیں تھا بلکہ اکتاہٹ کا اظہار تھا۔
"وقت سب کچھ سکھا دیتا ہے میری جان!" انہوں نے اس کا سر تھپکا اور نرمی سے بولیں۔ "جاؤ... اب معافی مانگ کر آؤ... میں جانتی ہوں صباحت آپا اور فضیلہ اسی انتظار میں بیٹھی ہوئی ہوں گی... ماہ نور! خوش نصیب کے ساتھ جاؤ۔"

"چلو۔" ماہ نور آگے بڑھی۔

"تم رہنے دو... میں خود ہی چلی جاتی ہوں... ایک میرے معافی مانگنے سے ہی ان سب کے احساس برتری کو سکون مل جائے گا۔" اس نے تڑخ کر کہا اور پاؤں پٹختی باہر نکل گئی۔

روشن امی اور ماہ نور ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہ گئیں۔

☆ ☆ ☆

شام میں منفرا بھی نی بی اور ٹیمی کے ساتھ کلارک اسٹریٹ جانے کے لیے تیار ہو گئی۔

نی بی کو آنے والے موسم کی مناسبت سے اپنے لیے گرم کوٹ خریدنا تھا جب کہ ٹیمی کا اپنے چار سال پرانے بوائے فرینڈ سے نیا نیا بریک اپ ہوا تھا۔ اسے خریداری سے زیادہ کلارک اسٹریٹ میں دوسری چیزوں میں دلچسپی تھی اسی لیے اس نے لباس ایسا منتخب کیا تھا کہ منفرا نے باقاعدہ سیٹی بجا کر اسے داد دی تھی۔

منفرا اور نی بی کا چونکہ ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا سو انہوں نے اپنے کپڑوں پر کوئی خاص دھیان نہ دیا اور جیکٹس اور گرم اونی ٹوپیاں پہن کر نکل آئیں۔ ابھی بارشوں کا موسم تھا رات کو ٹھنڈی یخ ہوائیں چلتی تھیں۔ منفرا کو بوائے فرینڈ میں کوئی دلچسپی نہیں تھی اور گرم کوٹ خریدنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس کے ڈیڈ مونٹاک میں مچھلیوں کے دوسرے درجے کے بیوپاری تھے۔ ان کے پاس اپنی ذاتی کشتی تھی اور ایک چھوٹا سا دو بیڈ رومز کا اپارٹمنٹ تھا۔ مالی اعتبار سے زندگی اچھی گزر رہی تھی لیکن عیاشیوں کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ ڈیڈ اور منفرا کے اصرار پر امی نے اسے نیویارک بھیج دیا تھا یہی بڑی بات تھی۔ لیکن ساتھ ہی انہوں نے منفرا کو پیسے سمجھ داری سے خرچ کرنے کی تاکید بھی کی تھی۔ وہ مہینے میں ایک بار مونٹاک جاتی اور واپسی پر اپنا خیال رکھنے کی ڈھیر ساری تاکید کے ساتھ فضول خرچی سے بچنے کی نصیحتیں بھی ساتھ لے کر آتی تھی۔

منفرا چونکہ سمجھ دار لڑکی تھی سو اس نے اپنی طرز زندگی کو بہت سارے پاکستانی نژاد خاندان کے بچوں کی طرح اپنی جذباتی آزار بننے نہیں دیا تھا۔ وہ پولیس نیشنل تھی اور امریکن لڑکیوں کی طرح پارٹ ٹائم ملازمت کر کے اپنے ایکسٹرا اخراجات پورے کرتی تھی۔ سو اس سال بھی اس نے اپنے تین سال پرانے کوٹ اور سوئیٹرز استعمال کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

اور خود کو سختی سے تاکید کی تھی کہ بازار کم سے کم جائے گی تاکہ نہ نئی ورائٹی دیکھے گی نہ اس کا خریدنے کے لیے دل للچائے گا اس روز بھی وہ ہاسٹل میں اکیلی رہ کر بور نہیں ہونا چاہتی تھی سو ان دونوں کے ساتھ چل پڑی۔

سب وے تک انہوں نے پیدل جانے کا فیصلہ کیا اور یہ محض ایک اتفاق تھا کہ زیر زمین ٹرین میں اسے معاویہ نظر آ گیا۔ وہ ان کے سامنے والی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا اور لاتعلقی سے کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ اس کی گود میں فوربز میگزین پڑا ہوا تھا اور کلائی پر Tag heuer کی گھڑی۔

یہ سمجھنا مشکل تھا کہ اتنا بہترین سوٹ اور اتنی قیمتی گھڑی پہننے والا شخص ٹرین سے سفر کیوں کر رہا ہے۔

بہر حال منفرا کے علاوہ ٹیمی کی نظر بھی اس پر پڑ چکی تھی اور اتنے ہینڈسم اور امیر نظر آنے والے شخص کو دیکھ کر وہ خوشی سے بے قابو بھی ہونا شروع ہو گئی تھی۔

"میں بہت خوش قسمت ہوں... دیکھو jesus نے اسے میرے لیے بھیج دیا ہے...." اس نے اپنی جیکٹ کی زپ کھولتے ہوئے کہا اندر پہنی ہوئی کالی شرٹ کا گلا بہت گہرا تھا۔

"میرا نہیں خیال اس سے بہتر بوائے فرینڈ مجھے مل سکتا ہے۔" اس نے غیر محسوس انداز میں گہرے گلے کو کھینچ کر کچھ مزید گہرا کیا اور آنکھ کا کونہ دبا کر شرارت سے ہنستی اس کی طرف چلی گئی۔

"تم دیکھنا۔۔۔ یہ چار منٹ میں بے عزتی کروا کر واپس آئے گی۔" فی بی نے ہنس کر اگلے ہی منٹ پیش گوئی کی تھی۔

منفرا کا خیال تھا فی بی کا انداز غلط ہو جائے گا۔ ٹیمی آج اتنی خوب صورت اور پرکشش لگ رہی تھی کہ منفرا کو یقین تھا کوئی حس لطافت سے عاری انسان ہی ہوگا جو اسے اگنور کر سکے گا۔ لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی جب واقعی چند منٹ بعد ٹیمی منہ لٹکا کر ان کے پاس واپس آگئی۔

"ہی از سو روڈ۔۔۔ اسے تو یہ بھی نہیں پتا کہ لڑکیوں سے بات کیسے کی جاتی ہے۔" اس کا موڈ بری طرح خراب ہو گیا تھا۔

ان لوگوں کے پاس سے ہٹ کر وہ معاویہ سے چند قدم دور کھڑی ہو گئی لیکن اس رخ پر کھڑی ہوئی تھی کہ اسے واضح طور پر نظر آتی رہے لیکن جب اس نے ٹیمی کے کھڑے ہونے کا کوئی خاص نوٹس نہیں لیا تو ٹیمی نے اسے مخاطب کر کے اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھنے کی اجازت مانگی تھی۔ اس سیٹ پر معاویہ نے اپنا لیپ ٹاپ رکھا ہوا تھا۔

معاویہ نے اس کے مخاطب کرنے پر بالکل سرد مہری سے اسے دیکھا تھا اور لیپ ٹاپ اٹھا کر اسے جگہ دینے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ اس کا ایک لفظی انکار ٹیمی کے دماغ پر جا کر لگا تھا۔ وہ غصے سے پیچ و خم کھا رہی تھی جبکہ فی بی اور منفرا اس کی درگت بننے پر خوب ہنسی تھیں۔ ہنستے ہوئے اور ٹیمی کا مذاق اڑاتے ہوئے ان کی آوازیں بلند ہو گئی تھیں اور ارد گرد کے لوگ ان کی طرف متوجہ ہونے لگے تھے۔

ہنستے ہنستے منفرا کی نظر معاویہ پر پڑی تو اس کی ہنسی کو بریک لگ گیا۔ اپنی سیٹ پر بیٹھا وہ اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ بہت زیادہ سنجیدہ لگ رہا تھا۔ منفرا سے نظریں ملتے ہی جہاں منفرا کی ہنسی کو بریک لگا تھا وہیں معاویہ نے سرد مہری سے نظریں پھیر لی تھیں اور ایک بار پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا تھا۔

لیکن نظر ملنے کا وہ ایک لمحہ منفرا پر بڑا گراں گزرا تھا۔ اسے اس شخص کی آنکھوں میں عجیب سی سفاکی اور بے حسی نظر آئی تھی۔ ہر بار اس شخص پر نظر پڑنے پر وہ اسے پراسرار لگتا تھا لیکن اس بار بے حس لگا تھا۔ پتا نہیں کیوں لیکن منفرا کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

صباحت تائی جان، فضیلہ چچی کے پورشن میں تھیں۔ فہمینہ کی نشاندہی پر وہ انہیں ڈھونڈتی وہاں چلی آئی اور سب سے پہلا ٹکراؤ صیام سے ہوا۔ وہ پاستا کی پلیٹ اٹھائے شاید نہیں یقیناً "کیف" پر اپنے سگھڑاپے سے زیادہ اپنی خوب صورتی کا رعب جمانے جا رہی تھی۔ بینگنی رنگ سے ذرا سے ہلکے رنگ کی گھٹنوں تک آتی اسٹائلش قمیص جس کے دامن پر مردانہ جیبیں لگی ہوئی تھیں، چوڑی دار پاجامے کے ساتھ پہنے دوپٹے سے بے نیاز، کھلے ہوئے سلکی لمبے بال سمیٹ کر ایک کندھے پر آگے کو ڈال لیے تھے۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے خوب ہی آفت قیامت لگ رہی تھی۔

لیکن ایک آفت قیامت وہ بھی تھی جو بے دھیانی میں سامنے سے چلی آ رہی تھی اور جبراً "معافی مانگنے کے لیے بھیجی گئی تھی تو موڈ بھی سخت خراب تھا۔

اب خدا جانے غلطی کس کی تھی لیکن عین دروازے کے بیچ و بیچ دونوں ٹکرائیں اور پاستا کی پوری پلیٹ صیام کی اسٹائلش قمیص کو مزید اسٹائلش بناتی زمین پر گر کر کرچی کرچی ہو گئی۔

"دیکھ کر نہیں چل سکتیں۔۔۔ پلیٹ میرے پاؤں پر لگ جاتی تو۔۔۔" خوش نصیب کو اس کی قمیص سے زیادہ اپنے

پیروں کی فکر تھی اور کیوں نہ ہوتی۔ سارا زمانہ اپنی فکر میں ہلکان ہوتا ہے۔ صیام نے اپنی قمیص اور محنت خراب ہونے کے صدمے سے سنبھل کر اسے غضب ناک نظروں سے گھورا۔

"تم کہاں سے آگئیں؟..... مصیبت" وہ بڑبڑائی۔

"دروازے سے۔" وہ تنک کر بولی۔ "اور یہ مصیبت کسے کہا ہے؟"

"پورے گھر میں تمہارے علاوہ اور کوئی ہے جسے یہ لقب دیا جا سکے۔" اپنی محنت اور قمیص خراب ہونے کا اسے بہت ہی صدمہ پہنچا تھا خوش نصیب کو ایسی نظروں سے گھورا کہ اگر آنکھوں سے سچ مچ کی آگ نکل سکتی تو اب تک خوش نصیب جل کر بھسم ہو چکی ہوتی۔

"امی بالکل ٹھیک کہتی ہیں..... تم ہو ہی منحوس..... جہاں سے گزر جاؤ، ممکن ہی نہیں کہ کوئی کام ٹھیک ہو جائے۔" اس نے پاؤں پٹخے اور پلٹ کر دھپ دھپ کرتی اندر چلی گئی۔

خوش نصیب ایسی باتیں بچپن سے سنتی آئی تھی کبھی موڈ آف ہو جاتا کبھی ساری کی ساری باتیں سیدھی جا کر دل پر لگتیں اور دماغ خراب کر دیتیں۔ اب بھی اس نے سر جھٹکا اور اندر کی طرف چل پڑی۔ ٹی وی لاؤنج سے گزر کر اسے فضیلہ چچی کے کمرے تک جانا تھا۔ وہ یا اپنے کمرے میں ہوتیں یا اپنے پورشن کے پچھلے حصے میں پائی جاتیں۔ لیکن فضیلہ چچی سے پہلے اسے شاہجہان عرف مٹھو بھائی نظر آگئے۔ وہ ٹی وی لاؤنج میں ٹی وی کے آگے براجمان کوئی سیاسی ٹاک شو دیکھتے ہوئے خود کو بڑا دانشور سمجھ رہے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ سنجیدہ تاثرات کے باوجود چہرے سے ہونق پن ٹپک رہا تھا۔ خوش نصیب کے کانوں میں صیام کا جملہ گونجا۔ "امی بالکل ٹھیک کہتی ہیں تم ہو ہی منحوس جہاں سے گزر جاؤ ممکن ہی نہیں کہ کوئی کام ٹھیک ہو جائے۔"

دیو مالائی داستانوں میں جیسے آدم خور انسانی خون کی بو پا کر "آدم بو، آدم بو" کی گردان شروع کر دیا کرتے تھے ٹھیک ویسے ہی اس وقت خوش نصیب کے کانوں میں "انتقام، انتقام" کی گردان شروع ہو گئی۔ اس کی آنکھیں عیاری سے چمکیں اور دبے پاؤں شاہجہان بھائی کے پیچھے جا کھڑی ہوئی۔

ٹی وی کی بلند آواز تھی۔ خوش نصیب نے ایک بار بلایا انہوں نے نہیں سنا۔ دوسری بار آواز دی پھر بھی کوئی رسپانس نہ ملا تو اس نے آگے کو جھک کر دیکھا۔ سنجیدہ صورت والے مٹھو بھائی اسے ہمیشہ سے زیادہ مزاحیہ لگے تھے اس وقت۔

"طوطے بھائی! آپ میری بات کیوں نہیں سن رہے؟" وہ بالکل ان کے کان کے قریب ہو کر چلائی۔

محترم دانشور ٹاک شو میں بری طرح غرق تھے اس افتاد پر اس بری طرح ہڑبڑائے کہ اپنی جگہ سے دو فٹ اچھلے اور ریموٹ نے ہاتھ سے چھوٹ کر ہوا میں قلابازی کھائی اور ٹھاہ کر کے ٹی وی اسکرین سے ٹکرایا۔

"کک..... کیا؟ کیا ہوا خوش نصیب؟" دھڑ دھڑ کرتے دل پر ہاتھ رکھے وہ بس بے ہوش ہونے کے قریب تھے۔

"ابھی تک تو کچھ نہیں ہوا۔" اس نے ٹی وی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن جتنی بری طرح ریموٹ ٹکرایا ہے..... ہو نہ ہو..... اسکرین ضرور ڈیمج ہوئی ہو گی۔"

"نہیں میں ٹی وی کا نہیں پوچھ رہا..... تم اتنی زور سے بولیں کیوں؟"

"زور سے نہ بولتی تو کیا کرتی..... کب سے بلا رہی ہوں لیکن آپ سن ہی نہیں رہے تھے طوطے بھائی....." اس نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔ طوطے بھائی نے فوراً برا مان کر جملہ اچکا۔

"بات سنو لڑکی! میرا نام شاہجہان ہے۔"

"اتنا مشکل نام..... " اس نے بے بسی سے کہا۔ "میں تو طوطے بھائی ہی کہوں گی۔" ٹھنک کر کہا گیا۔

"سارے گھر والے پیار سے مٹھو کہتے ہیں..... تم بھی یہی کہہ لیا کرو۔ لیکن یہ طوطا مت کہو..... سچ بہت برا لگتا

ہے ہمیں۔" انہوں نے التجا کی
"ہائے۔۔۔" واری صدقے ہوتی نگاہوں سے انہیں دیکھا۔"کتنے معصوم ہیں آپ طوطے بھائی! یہ جو آپ کے گھر والے ہیں۔۔۔ کوئی پیار ویار سے مٹھو نہیں کہتے۔۔۔ یہ تو آپ کی طوطا ناک کی وجہ سے یہ نام رکھا ہوا ہے۔۔۔ ایک بار مجھے **فضیلہ** چچی نے خود بتایا تھا۔۔۔ ہائے یہ میں کیا بول گئی۔" اف کیا زبردست اداکاری تھی۔ کسی فلم یا ڈرامے میں چانس ملتا تو اس سین کے لیے ضرور آسکر ایوارڈ کی نامزد ٹھہرائی جاتی۔
مٹھو بھائی کا منہ مارے صدمے کے کچھ اور ہونق لگنے لگا۔ ایک تو وہ بیچارے پیدائشی "بھولے" اوپر سے خوش نصیب کے ہتھے چڑھ گئے۔۔۔ سمجھو مرے پہ سو درّے والا حساب ہوا۔
"کک۔۔۔ کیا بتایا تھا امی نے؟"
"چھوڑیں۔۔۔ رہنے دیں۔۔۔ خوامخواہ آپ کا دل برا ہو گا۔" بڑا اپنی سی بن کر بولی۔
"نہیں نہیں۔۔۔ تم بتاؤ اب ایسا بھی نازک دل نہیں ہے میرا۔" خوش نصیب کا انداز ہی ایسا تھا کہ وہ ٹوہ لینے پر مجبور ہو گئے۔
"چچی مجھ سے خفا ہو جائیں گی طوطے بھائی! کہ آپ کو اتنے راز کی بات کیوں بتائی۔" وہ لاچاری سے بولی۔
"ارے اب بتا بھی چکو۔۔۔ امی کو کون بتائے گا کہ تمہیں تم نے بتایا ہے۔" وہ رونے والے ہو گئے۔
"اچھا۔۔۔" اس نے سوچا پھر بولی۔"اب آپ اتنا مجبور کر رہے ہیں تو بتا ہی دیتی ہوں۔ جب آپ پیدا ہوئے تو چچی **فضیلہ** کی **سہیلیاں** آپ کی ٹیڑھی ناک دیکھ کر مذاق اڑایا کرتی تھیں۔۔۔ کہ **فضیلہ**! اللہ نے پہلوٹھی کی اولاد کیسی ٹیڑھی ناک والی دے دی ہے اس کی ناک تو میاں مٹھو سے ملتی ہے۔ سب آپ کو مٹھو بلاتی تھیں۔۔۔ ان کے دیکھا دیکھی صیام نے بھی آپ کو مٹھو کہنا شروع کر دیا۔۔۔ اب آپ کا دل رکھنے کے لیے چچی نے کچھ تو کہنا تھا۔۔۔ سو کہہ دیا مٹھو پیار کا نام ہے۔ اچھا۔۔۔ صباحت تائی جان کہاں ہیں۔۔۔؟ صیام کہہ رہی تھی یہیں کہیں ہیں۔" وہ صدمے سے نڈھال تھے چونک کر بولے۔
"امی کے کمرے میں دیکھ لو۔۔۔ وہیں ہوں گی۔"
"ٹھیک ہے۔۔۔" وہ اٹھلاتی ہوئی جانے لگی پھر رکی اور بولی۔
"آپ دل چھوٹا نہ کریں طوطے بھائی! صیام آپ کو چڑانے کے لیے مٹھو کہتی ہے تو کیا ہوا۔۔۔ چچی کے تو آپ بیٹے ہیں وہ تو پیار سے ہی کہتی ہوں گی۔" اسے تسلی دی اور مزے سے کہہ کر چلتی بنی۔ ٹی وی کے سامنے کھڑے مٹھو بھائی نے آنسوؤں سے ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں رگڑیں اور صیام کے کمرے کا رخ کیا۔
خوش نصیب نے دل ہی دل میں قہقہے لگائے۔ معافی کا کیا ہے مانگ ہی لے گی۔ بچپن سے ہر چھوٹی بڑی بات کے لیے مانگتی آئی تھی۔ لیکن اب جو صیام کے کمرے میں طوفان آنا تھا اس نے دل کی ہر خلش کو مٹا دینا تھا۔
اسے اپنی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ **فضیلہ** چچی کی بات پر بھی از سر نو یقین آیا۔ وہ ہمیشہ کہتی تھیں۔ خوش نصیب کہیں سے گزر جائے اور وہاں کوئی طوفان نہ آئے یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اب اتنی بڑی عمر کی خاتون کہتی ہیں تو ٹھیک ہی کہتی ہوں گی۔

☆ ☆ ☆

کلارک اسٹریٹ میں ونڈو شاپنگ کرتے، ٹیمی کے ساتھ مختلف کوٹ اور جیکٹس پہن پہن کر دیکھتے ہوئے بھی وہ منفرا کے دماغ سے نہیں نکلا۔ شاید یہ اس کے بارے میں اتنا زیادہ اور بار بار سوچنے کا اثر تھا کہ دو چار لوگوں پر اسے اسی شخص کا گمان ہوا۔ ایک بار ایسا لگا جیسے وہ بالکل اس کے پاس سے ہو کر گزرا ہو۔ دوسری بار وہ اسے کافی

شاپ کے دوسری طرف کھڑا نظر آیا اور تیسری بار فرانسیسی طرز کے ہیٹ میں چھپا ہوا چہرہ اسی کی شباہت لیے محسوس ہوا۔ منفرا جھنجلا سی گئی اور جب ٹیمی ایک جینز ٹرائی کرنے کے لیے ٹرائی روم میں گئی تو اس نے نی بی سے پوچھا۔

"نی بی! تم اس لڑکے کے بارے میں کیا بتا رہی تھیں؟"

"کون سا لڑکا؟" نی بی ہینگرز میں ڈسپلے کی ہوئی شرٹس دیکھ رہی تھی۔

"وہی۔۔۔ جو ابھی ٹرین میں تھا۔۔۔ ایرک کے دوست کا کزن۔" منفرا نے اپنے لہجے کو حتی المقدور سرسری بنا کر پوچھا تھا۔

نی بی نے ٹھٹک کر اسے دیکھا۔ "کیوں پوچھ رہی ہو؟"

"کوئی خاص بات نہیں۔۔۔ ویسے ہی پوچھا تھا۔" منفرا نے جلدی سے کہا۔

نی بی مسکرانے لگی اس کی مسکراہٹ معنی خیز تھی۔ "یہ بات تم اس سے کہو جو تمہیں جانتا نہ ہو۔۔۔ پہلے تو تم نے کبھی کسی کے بارے میں اتنے سوال نہیں پوچھے۔۔۔ کسی کے بارے میں اتنی پرتجسس نہیں ہوئیں۔"

"نی بی! میں نے ویسے ہی پوچھ لیا تھا۔۔۔" اس نے ہنس کر اور زور دے کر کہا تھا لیکن نی بی کو اس کی بات کا یقین نہیں آیا وہ ایسے ہی معنی خیزی سے مسکراتی رہی۔

"تمہیں وہ اچھا لگ رہا ہے کیا؟" شرارت سے اسے دیکھ کر پوچھا تھا۔

منفرا جھینپ سی گئی۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"اوہ کم آن۔۔۔ تمہیں مجھ سے چھپانے کی ضرورت نہیں ہے منفا!" اتنے سالوں کی دوستی کے باوجود وہ اس کا نام صحیح تلفظ کے ساتھ نہیں بول پاتی تھی اسی لیے اسے منفا کہتی تھی۔

"مجھے خوشی ہوگی اگر تمہاری زندگی میں بھی ایک بوائے فرینڈ آجائے۔" نی بی ابھی بھی سنجیدہ نہیں ہو رہی تھی۔ منفرا ہنسی اور بے بسی والے انداز میں وضاحت دینے لگی۔

"وہ صرف میرے دماغ سے نہیں نکل رہا۔۔۔ صرف اتنی سی بات ہے۔۔۔ میرا اسے بوائے فرینڈ بنانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

"میں جانتی ہوں۔۔۔" وہ کسی طرح یقین کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔ "ویل ایک بار ٹیمی سے ضرور ڈسکس کرلینا۔۔۔ ابھی اس کی جتنی انسلٹ ہوئی ہے میرا نہیں خیال وہ تمہیں الاؤ کرے گی کہ اس بندے سے کوئی ریلیشن شپ بناؤ۔" وہ مزے سے مشورے دیتی جا رہی تھی۔

"شٹ اپ نی بی!" منفرا نے ہنستے ہوئے ہاتھ میں پکڑا والٹ اسے کھینچ مارا۔

نی بی بھی ہنسنے لگی۔ اسی وقت ٹیمی ٹرائی روم سے باہر آگئی تو ان دونوں نے ہی موضوع بدل دیا۔

☼ ☼ ☼

رات تک خوش نصیب کے اٹھائے ہوئے طوفان نے سارے گھر میں اپنی تباہ کاریاں پھیلا دی تھیں۔

شاہجہان نے صیام کے سلکی بال نوچ نوچ کر کچھ جڑ سے اکھاڑ دیے باقی جو بچے وہ خود رو جھاڑیاں دکھائی دینے لگے۔

صیام نے بے شک ہاتھوں میں چوڑیاں پہن رکھی تھیں لیکن بدلہ لینے میں چُوک جانا اس نے بھی نہیں سیکھا تھا، سو ایسا تاک کر گلدان مارا کہ بڑے بھائی کی ناک کے معمولی سے خم کو بالکل ہی ٹیڑھا کر دیا۔ عینی شاہدین بتاتے ہیں کہ خون کا فوارہ نکلا تھا مٹھو کی ناک سے اور پورا فرش خون و خون ہو گیا تھا۔ روشن امی، نانی اور ماہ نور کو افسوس

ہوا لیکن فائدہ یہ ہوا کہ خوش نصیب کی بدتمیزی کی داستان وقتی طور پر دب گئی اور جس کی یہ ساری کارستانی تھی' وہ کچی اینٹوں والے ٹھنڈے کمرے میں نانی کے پلنگ پر لیٹ کر ڈاکٹر یونس بٹ کی کتاب پڑھتی رہی اور اونچے اونچے قہقہے لگاتی رہی۔

رات گئے اس نے آواز دبا کر لیکن خوب ہنس ہنس اپنا کارنامہ ماہ نور کو سنایا۔ "دنیا کے سارے شیر جوان مر گئے ہیں جو میں شاہجہان کو پیار سے کچھ کہوں؟... ہم تو بھئی... طوطے بھائی ہی کہیں گے۔"

فرش پر بچھائے ہوئے بستر میں گھسی ایک ہاتھ کی کہنی کھڑی کر کے اس پر سر رکھے لیٹی وہ جیسے اپنی ہی بات سے محظوظ ہوتی تھی۔ ماہ نور کو ہنسی آئی لیکن حیرانی زیادہ تھی۔ خوش نصیب کا دماغ ایسے معاملات میں زرخیز تھا' وہ جب چاہتی جہاں چاہتی اگلے کو تگنی کا ناچ نچا کر رکھ دیتی۔ ماہ نور صبر و تحمل سے اچھے وقت کی آس میں زندگی گزار دینے پر یقین رکھتی تھی۔

"بہت ہی بدتمیز واقع ہوئی ہو ویسے تم۔" اس نے مسکراتے ہوئے بلکہ کچھ ملامتی انداز میں کہا تھا۔

"شکریہ۔" خوش نصیب ڈھٹائی سے دانت نکالتی ایک ہاتھ سے کورنش بجالائی۔

"فضیلہ چچی کو پتا چلا تو... سمجھو تمہاری خیر نہیں ہے۔"

"ارے جاؤ... میں کسی سے نہیں ڈرتی۔" اس نے ہاتھ ہوا میں لہرا کر جیسے مکھی اڑائی اور کروٹ بدل کر چت لیٹ گئی۔

"تم نہیں ڈرتیں لیکن امی ڈرتی ہیں..." ماہ نور نے نرمی سے اور آہستگی سے کہا تھا' ساتھ ہی ایک نظر چپکے سے روشن امی کی طرف بھی دیکھا تھا۔ کمرے کے دوسرے کونے پر نانی اور روشن امی کے پلنگ برابر برابر بچھے ہوئے تھے۔ اور دونوں ہی گہری نیند سو رہی تھیں۔

"کیوں ڈرتی ہیں؟ یہی ان کی غلطی ہے' غلطی تھی۔" اس نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے "ہے اور تھی" پر زور دے کر کہا تھا۔

"جب وہ حق پر تھیں تو ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے تھا... اپنے حق کے لیے آواز بلند کرنا چاہیے تھی... اگر تب بھی حق نہ ملتا تو اسے چھین لینا چاہیے تھا... لیکن انہوں نے ڈر ڈر کر زندگی گزار دی۔"

"ایسے نہیں ہوتا ناں خوش نصیب! عورت کو ڈر کر ہی رہنا پڑتا ہے۔ یہ اس دنیا کا اصول ہے۔"

"انسان اپنے اصول خود بناتا ہے اور ان اصولوں پر عمل پیرا ہونے کے لیے دنیا کے سامنے ڈٹ جاتا ہے... جو دنیا کے بنائے ہوئے اصول فالو کرتا ہے میرے نزدیک وہ بزدل ہے۔"

ماہ نور کو اس کی بات سے صدمہ پہنچا۔ "روشن امی کو بزدل کہہ رہی ہو... ہمارے لیے انہوں نے اپنی پوری زندگی برباد کر دی۔"

"دھت تیرے کی... انہیں کیسے بزدل کہہ سکتی ہوں؟ میرے جیسی بہادر بیٹی کی ماں بزدل ہو بھی نہیں سکتی... وہ تو میری آئیڈیل ہیں... ایسی بہادر' ایسی عظیم کہ میرا دل چاہتا ہے ان کا مجسمہ بنوا کر شہر کے سب سے بڑے چوک میں لگوا دوں... یادگار کے طور پر..." بولتے بولتے اس کی آواز نیند کے جھونکوں میں جھولنے لگی اور پھر بولتے بولتے ہی وہ گہری نیند سو گئی۔

خدا جانے خوش نصیب نے یہ بات سیریس ہو کر کہی تھی یا مذاق میں کہہ گئی تھی۔ ماہ نور سمجھ نہ سکی۔ ویسے بھی خوش نصیب مذاق مذاق میں بہت کچھ کہہ جاتی تھی۔ اور جو کچھ سنجیدہ ہو کر کہتی تھی وہ تو اس "بہت کچھ" سے بھی کچھ زیادہ ہی ہوتا تھا۔

ماہ نور نے گہرا سانس بھر کر اسے دیکھا۔ سوتے ہوئے کیسی معصوم سی لگ رہی تھی اور جاگتے میں پوری دنیا کے

لیے پچھل پیری بن جاتی یعنی جس کے پیچھے پڑجاتی پھراس کی جان آسانی سے نہ چھوڑتی۔ ماہ نور کو بے اختیار اس پر پیار آیا تو جھک کر اس کی پیشانی کو چوما اس کا لحاف درست کیا اور خود بھی سونے کے لیے لیٹ گئی تو ماضی کے کتنے ہی لمحے نیند کی دہلیز سے جھانکنے لگے۔

اس کے ابو باسط احمد کا جب انتقال ہوا تو وہ تین سال کی تھی اور خوش نصیب تین دن کی۔ ابو نے بڑی محبت سے اس کا نام خوش نصیب رکھ دیا لیکن جب ایک تیز رفتار گاڑی انہیں کچل کر نکل گئی تو دنیا نے اسے بدنصیب ہی تصور کرلیا۔

لیکن ماہ نور کو اور روشن امی کو وہ اچھی لگتی' بڑی بڑی آنکھوں اور گندمی رنگت والی گڑیا۔ لیکن ماہ نور کی طرح اس کے مزاج میں ٹھہراؤ نہیں تھا۔ یہ بات روشن امی ہمیشہ کہتی تھیں۔

اور وقت نے ثابت کیا ان کی بات غلط نہیں تھی۔ اس کی طبیعت میں بغاوت تھی' وہ لڑنے بھڑنے پر تیار رہتی' جو چیز چاہیے اسے چھین کر حاصل کرلیتی لیکن دستبردار نہ ہوتی۔ پتا نہیں وہ ہر چیز کو روشن امی اور ماہ نور کی طرح جو ہے' جیسا ہے کی بنیاد پر قبول کیوں نہیں کرلیتی تھی۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا پتھروں سے بھی بیر باندھ لے کہ اس کی مرضی کی شکل میں کیوں نہیں ڈھلتے۔

روشن امی کو ایک پرسکون' پرآسائش زندگی فراہم کرنا اس کی اپنی زندگی کا سب سے بڑا مقصد تھا۔ بچپن میں روشن امی کو فرش پر پونچا لگاتے ہوئے دیکھتی تو کہتی۔ "بڑی ہو کر کام والی مائی بنوں گی تاکہ آپ کو — پونچا نہ لگانا پڑے۔"

ایک بار انہوں نے بتا دیا' تمہارے ابو کے گھر پر چچا تایا نے قبضہ کر رکھا ہے اور ہمارے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ کسی وکیل کا بندوبست کریں جو قبضہ چھڑوا دے۔

اس روز خوش نصیب نے طے کیا وہ بڑی ہو کر وکیل بن جائے گی۔ لیکن روشن امی کی آنکھوں میں آنسو آنے نہیں دے گی۔

اب بڑی ہو گئی تھی لیکن نہ کام والی مائی بن سکی تھی نہ وکیل اور نہ ہی روشن امی کی آنکھوں کے آنسو روک پائی تھی۔ یہی اس کی زندگی کی سب سے بڑی خلش تھی اور یہی دنیا سے اس کا سب سے بڑا جھگڑا۔۔۔ یہی سوچتے سوچتے ماہ نور بھی گہری نیند سو گئی۔

☼ ☼ ☼
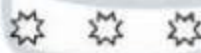
اس رات وہ تینوں بہت لیٹ واپس آئی تھیں۔ ٹیمی کو بوائے فرینڈ نہیں ملا لیکن دو اچھے کوٹ اور ایک لیدر جیکٹ مل گئی۔ فی بی کو کوئی بھی چیز پسند نہیں آئی' سو وہ آج کل میں دوبارہ کلارک اسٹریٹ جانے کا ارادہ رکھتی تھی۔ منفرا آتے کے ساتھ ہی سونے کے لیے لیٹ گئی لیکن آنکھیں بند کرتی تو سامنے معاویہ کا چہرہ آجاتا اور اس کی آنکھوں کی سفاکی اسے بے چین کرنے لگتی۔

"تم نے اس کی آنکھیں دیکھیں فی بی؟" ٹیمی نے اچانک پوچھا وہ اپنے کوٹ پہن پہن کر دیکھ رہی تھی۔

"بہت بری آنکھیں تھیں اس کی۔" اس سے پہلے کہ فی بی کوئی جواب دیتی' خود اسی نے ناک چڑھا کر کہا۔

"بری۔۔۔؟" فی بی کو حیرانی کا جھٹکا لگا۔ وہ پڑھنے کے لیے اپنی اسٹڈی ٹیبل پر بیٹھ چکی تھی' مڑ کر ٹیمی کو دیکھا۔ "اب اس نے تمہیں لفٹ نہیں کروائی تو تم اس کی اتنی برائی تو مت کرو۔۔۔ اچھی خاصی اٹریکٹو آنکھیں تھیں اس کی۔"

"نہیں۔۔۔ ٹیمی ٹھیک کہہ رہی ہے۔" منفرا نے کہا۔ "عجیب سی آنکھیں تھیں اس کی۔"

"مجھے تو ایسا لگا جیسے وہ بے جان ہوں۔" ٹیمی نے کہا۔ "مشرقی مرد تو اپنی سحر انگیز آنکھوں کے لیے مشہور ہیں لیکن اتنی بے حس آنکھیں تو مرے ہوئے لوگوں کی ہی ہوتی ہیں۔"

"اوہ کم آن۔۔" فی بی نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔ "میں نے تو آج تک کسی مرے ہوئے انسان کی ایسی اٹریکٹو آنکھیں نہیں دیکھیں۔" پھر اس نے منفرا کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کسی اسے بار بار یاد کرے تو بات سمجھ میں آتی ہے۔۔۔ تمہیں وہ کیوں یاد آ رہا ہے؟" اس کا انداز شرارتی تھا۔

منفرا اس کا انداز سمجھ کر مسکرا دی اور سیدھی ہو کر لیٹ گئی۔

"اگلی بار وہ نظر آئے تو اس کی آنکھوں میں مت دیکھنا۔۔۔ مجھے ڈر ہے وہ تم پر سحر نہ پھونک دے۔" فی بی نے ابھی بھی شرارت سے ہی کہا تھا۔ منفرا چھت کی طرف دیکھتے ہوئے مسکراتی رہی، پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

☼ ☼ ☼

اگلی صبح پانچ بجے، جب بیدار ہوتی صبح کی چمکیلی کرنیں کمرے کے بند دروازے کی درز سے اندر آنا شروع ہی ہوئی تھیں۔ خوش نصیب نے آنکھیں کھلتے ہی جھنجوڑ کر ماہ نور کو جگایا۔

"تمہیں پتا ہے ماہ نور! ہماری زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ کیا ہے؟" وہ نیند سے بوجھل آواز میں پوچھ رہی تھی لحاف ابھی جسم کے ساتھ لپٹا ہوا تھا۔ ماہ نور نے خوابیدہ ذہن اور آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھا۔ چند لمحے سوچا اور بولی۔

"ابو کی ڈیتھ۔ مجھے لگتا ہے ابو کی ڈیتھ ہماری زندگیوں کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔"

"یہ مسئلہ تو ہر مسئلے کی جڑ ہے۔۔۔" خوش نصیب نے کہا۔ "لیکن ہر مسئلے سے بڑا بھی ایک مسئلہ ہے۔۔۔ میں بتاؤں وہ کیا ہے؟ ہمارے پاس پیسہ نہیں ہے اگر ہمارے پاس بھی ڈھیر سارے پیسے ہوتے تو یہ سارے خاندان والے روشن امی کو یوں نوکرانی بنا کر نہ رکھتے۔۔۔ ہمارے ابو کے گھر میں رہ کر ہم پر احسان نہ جتاتے۔۔۔ میرا خیال ہے ایک اچھی عورت روشن امی جیسی ہوتی ہے۔۔۔ جو شوہر کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی اس کے بچوں کو پالتی ہے۔۔۔ اس کے رشتہ داروں کی باتیں سنتی ہے ان کے لیے کھانے بناتی ہے مگر زبان سے ایک لفظ نہیں کہتی۔۔۔ لیکن میں ان کے جیسی نہیں بننا چاہتی۔۔۔ اچھے لوگوں کی اس دنیا میں کوئی قدر نہیں ہے۔۔۔ دنیا انہیں جھک کر ملتی ہے، جو دنیا کو اپنی جوتی کی نوک پر رکھتے ہیں۔۔۔ میں بھی یہی کروں گی۔۔۔ ڈھیر سارا پیسہ کماؤں گی اور دنیا کو اپنی ٹھوکر سے اڑاؤں گی۔۔۔ تم دیکھنا ماہ نور! میں ایسا ہی کروں گی۔"

خود کلامی کے انداز میں وہ مصمم ارادے سے بولتی ہوئی اٹھی اور چپل میں پاؤں پھنساتی باتھ روم میں چلی گئی۔ ماہ نور ہونق بنی اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ دروازہ بند ہونے کی آواز پر چونکی۔

"چہ چہ۔۔۔ بیچاری خوش نصیب۔۔۔! لگتا ہے اکیڈمی بند ہونے کا اثر دماغ پر ہو گیا ہے۔ تب ہی تو صبح صبح بہکی بہکی باتیں کر رہی ہے۔" ماہ نور صبح صبح افسردہ ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

وہ جانتا تھا وہ سو رہا ہے۔ پھر بھی خود کو تار کول سے اندھیرے میں کھڑا پایا تو چونک گیا۔ شاید کوئی گہرا کنواں تھا یا تاریک سرنگ۔ پھر اسے دور روشنی دکھائی دی جو بصارت کو ڈگمگاتی تھی۔ اس نے بے ساختہ آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا اور اس روشنی کی طرف چلنے لگا۔ کنارے پر پہنچ کر روشنی دھند میں بدلی اور اوس بن کر اس پر برسنے لگی۔ وہ تیزی سے بھاگا تاکہ خود کو بھیگنے سے بچا سکے۔ اور تب معاویہ اردشیرازی نے خود کو ایک بڑے سے لکڑی کے پھاٹک نما گیٹ کے سامنے کھڑا پایا۔

اس نے سر اٹھایا اور پائن کے درختوں میں گھری اس تین منزلہ پرشکوہ عمارت کو دیکھا جس پر اسرار کا سایہ محسوس ہوتا تھا۔

معاویہ نے ہاتھ بڑھایا تو پھاٹک خود بخود کھلتا چلا گیا۔ وہ اندر آگیا۔ عمودی پہاڑ کے سینے پر لمبی سرمئی روش بچھی تھی جو سیدھی عمارت کے مرکزی عالی شان دروازے تک جاتی تھی۔ روش کے دونوں طرف اور عمارت کے چار اطراف وسیع و عریض لان تھے اور پراسرار خاموشی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ روشنی کا ایک ٹکڑا اس کے آگے آگے چلنے لگا۔ لیکن مٹے مٹے سے مناظر تھے' کچھ بھی واضح نہ ہوتا تھا۔ وہ برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ کر پہنچا تو مرکزی دروازہ ایسے کھلا جیسے دربان اسی کے منتظر ہوں۔

وہ جھجکتا ہوا سا اندر آگیا۔ اونچی اونچی دیواریں تھیں۔ بڑی بڑی کھڑکیاں۔ بہت بڑا ہال نما گول کمرہ۔ جس کے اطراف سے راہداریاں نکلتی ہوئی کہیں اندر غائب ہو رہی تھیں۔ راہداریوں ۔ کے سامنے موتیوں کی لڑیوں کے پردے تھے اور ان لڑیوں کے پیچھے کا منظر تاریک اور ہیبت ناک معلوم ہوتا تھا۔ سامنے آدھے دائرے کی شکل کی دو طرفہ سیڑھیاں' جو نرم قالینوں سے ڈھکی تھیں۔ درمیان میں شاہانہ صوفے بچھے تھے' داہنے ہاتھ لکڑی کا بڑا سا پیانو رکھا تھا۔ اوپر ایک بہت بڑا فانوس تھا۔ جو ہوا سے لرز رہا تھا اور ایک خاص طرح کا ردھم پیدا کرتا تھا۔

اچانک کوئی چیز پوری قوت سے پیانو پر آگری۔ ہیبت ناک شور اس کے دماغ کو جھنجھوڑنے لگا۔ اس نے کانوں پر دونوں ہاتھ رکھے اور آنکھیں زور سے بھینچ لیں۔ تو سکوت چھا گیا۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو دنگ رہ گیا۔

وہ ایک تابوت میں قید تھا اور تابوت کی چھت دھیرے دھیرے اس کی طرف آرہی تھی۔ معاویہ کا سانس گھٹنے لگا۔ چیخنا چاہا تو آواز نے حلق کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس نے زور زور سے ہاتھ چلائے۔ کہیں سے سانس کی رمق ملے... اسے آزادی ملے لیکن....

معا" پروں کے پھڑپھڑانے کی تیز تیز آواز آنے لگی۔ روشنی پوری شدت سے اس کے چہرے سے ٹکرائی۔ اسے یوں لگا کہ اسے نگل ہی لے گی۔ یہ ایسا خوفناک احساس تھا کہ نیند کا سلسلہ ٹوٹ گیا اور وہ اٹھ بیٹھا۔ اس کا پورا جسم پسینے سے بھیگا ہوا تھا اور دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

بیڈ کے قریب میز پر رکھا اس کا موبائل فون پچھلی رات سیٹ کیے گئے الارم کے تحت مسلسل بج رہا تھا۔

خواب کے اثر سے نکلنے میں اسے چند منٹ لگے تو اس نے دیکھا وہ اپنے کمرے میں تھا۔ اپنے اپارٹمنٹ کے آرام دہ بیڈ روم میں۔ یہ بروکلین ہائٹس تھا نیویارک کا پوش علاقہ۔ بشام سے کئی سو میل دور...

راتوں رات وہ کیسے وہاں جا سکتا ہے اور تابوت میں قید ہو سکتا ہے۔ ماتھے سے پسینہ پونچھتے ہوئے اس نے خود کو تسلی دی تو گھبراہٹ کچھ کم ہوئی۔ دونوں ہاتھوں سے اس نے چہرہ پونچھا۔ اپنی بے حس آنکھوں کو نرمی سے دبایا پھر ہاتھ بڑھا کر الارم بند کرنے کے لیے موبائل اٹھانے لگا تو بے دھیانی میں موبائل کے ساتھ رکھی سرمئی جلد والی ڈائری پر ہاتھ لگا۔ معاویہ نے چونک کر دیکھا اور ڈائری اٹھالی۔ سرمئی جلد پر بریل کے ہندسوں کی طرح سیاہ رنگ سے ایک نام ابھرا ہوا تھا۔

"وسامہ طالب۔" اس نے انگوٹھے سے ابھرے ہوئے لفظوں کو چھوتے ہوئے زیر لب نام پڑھا۔

ایک جھٹکے سے کمبل ہٹایا۔ ڈائری واپس میز پر رکھی۔ بستر سے نکلا۔ ڈائری نیچے قالین پر گر گئی۔ معاویہ نظر انداز کر کے باتھ روم میں چلا گیا۔ بیڈ کے قریب میز پر رکھے موبائل کا الارم ابھی بھی مسلسل بج رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

کیف نے دروازے پر دستک دی۔

اندر سے مدھم سی "ہوں" سنائی دی تو وہ اپنی مخصوص مسکراہٹ چہرے پر سجائے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ عرفات ماموں اپنی آرام دہ کرسی پر جھول رہے تھے اور ابن خلدون کی پانچویں جلد پڑھنے میں مصروف تھے۔ کمرے میں کتابوں کے بوسیدہ پن کی مخصوص خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ عرفات ماموں نے چشمے کے اوپر سے اندر داخل ہونے والے کو دیکھا اور والہانہ استقبال کیا۔

"ارے کیف صاحب! آیئے آیئے... آج تو ضرور سورج مغرب سے نکلا ہو گا... جو بڑے بڑے لوگ ہمارے کمرے میں تشریف لائے ہیں۔" کیف مسکراتا ہوا ان کے پاس آگیا اور مصافحہ کرتے ہوئے بولا۔

"میں کل بھی آیا تھا... لیکن آپ پتا نہیں کہاں غائب تھے۔"

"میں ذرا چہل قدمی کرنے چھت پر چلا گیا تھا... شیرو نے بتایا تھا مجھے کہ تم آئے تھے۔" اثبات میں سر ہلاتے ہوئے انہوں نے ملازم لڑکے کا نام لیا تھا۔

"چہل قدمی کرنے گئے تھے یا تانک جھانک کرنے؟" بیٹھنے کے لیے ادھر ادھر کوئی چیز تلاش کرتے ہوئے اس نے اپنے مخصوص شرارتی انداز میں کہا۔

عرفات ماموں نے چشمے کے اوپر سے ابرو اچکا کر اسے دوبارہ دیکھا۔ ہونٹ دبا کر مسکرائے۔ ان دونوں کی عمروں میں فرق تھا لیکن حس مزاح میں بڑی مماثلت تھی سو دونوں کی بنتی بھی خوب تھی۔

"بزرگوں سے مذاق کرتے شرم نہیں آتی برخوردار!"

"ارے واہ..." اس نے کرسی لا کر ان کے سامنے رکھی اور ٹھنک کر بولا۔ "بزرگ آس پڑوس کی آنٹیاں تاڑتے نہ شرمائیں اور ہم بات کرتے ہوئے شرمائیں... کیا بات ہے آپ کی۔ کل ہی ساتھ والی نعمی آنٹی امی سے شکایت لگا کر گئی ہیں... کہ آپ کا بھائی سارا دن منڈیر سے لٹک کر ہمارے گھر کنکریاں پھینکتا رہتا ہے۔"

"اچھا تو کیا جواب دیا آپا نے؟" انہوں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"امی بھی آپ ہی کی بہن ہیں کہنے لگیں... صبر کرو بہن! جس گھر میں بیری ہو وہاں پتھر تو آتے ہیں۔" عرفات ماموں کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"کیا بکتے ہو... یہ کام تو میں نے جوانی میں نہ کیا تو اب کیا کروں گا۔"

"جانے دیں ماموں! آپ کی جوانی کے قصے میں نے امی سے کئی بار سنے ہیں... شکیلہ خالہ کی بیٹی نے آپ کے لیے اپنی کلائی کاٹ لی تھی... سارا خاندان جانتا ہے۔" شرارتی انداز میں وہ مزے سے بولتا جا رہا تھا۔

"ارے وہ تو اس کی اپنی حماقت تھی... میں نے کوئی وعدے تھوڑا ہی کیے تھے۔" وہ جھینپ کر بولے۔

"ہمیں کیا معلوم۔" کیف نے کندھے اچکا کر لاپروائی سے کہا جیسے جتا رہا ہو' اسے ان کی بات پر ذرا بھی اعتبار نہیں ہے۔

"امی تو کہتی ہیں' فیروز چچا کی بہن ایک رات گھر سے بھاگ کر آگئی تھیں... کہ دلہن بنوں گی تو عرفات کی بنوں گی ... ورنہ سولی پر لٹک جاؤں گی۔" وہ دور پرے کے رشتہ داروں کے نام لے رہا تھا۔ عرفات ماموں سن سن کر محظوظ ہوتے رہے۔

"آپا کی باتوں پر دھیان کم دیا کرو... انہیں تو یہی لگتا تھا ان کے شیر جوان بھائی کے لیے ساری دنیا کی لڑکیاں خودکشی کرنے کے لیے تیار ہو جاتی ہیں۔"

"شیر جوان بھائی میں بھی تو کچھ نہ کچھ گنس ہوں گے۔" وہ شرارت سے بولا۔ "وہ راحیلہ باجی والا قصہ تو مجھے بھی کچھ کچھ یاد ہے... جن کے ساتھ آپ گولا گنڈا کھاتے ہوئے پکڑے گئے تھے۔" وہ باز نہیں آ رہا تھا۔

"تم انسان کا بچہ ہو یا وکی پیڈیا جس کی یادداشت سے کوئی بات نہیں مٹتی۔" انہوں نے کتاب کا صفحہ پلٹ کر

شانی لگائی اور بولے۔
"اس وقت تم جھولے میں ہو گے.... جتنی پرانی یہ بات ہے۔"
"یعنی کوئی نہ کوئی قصہ تھا ضرور...." اس نے فوراً" کہا۔ "بس مجھے یہی معلوم کرنا تھا۔" وہ ہنسا عرفات ماموں جھینپ گئے۔
"بہت ہی شیطان ہو تم.... خوش نصیب بالکل ٹھیک کہتی ہے۔"
"کیا کہتی ہے خوش نصیب؟" اس کے کان کھڑے ہوئے۔
"یہی کہ کیف جیسا خبیث ابھی تک اس دنیا میں پیدا نہیں ہوا۔"
کیف جی بھر کے بدمزہ ہوا انگلی سے سر کھجا کر بولا۔ "بس یہ بھی اس کی محبت ہے کہ ایسے کمنٹس دیتی رہتی ہے.... ورنہ آج کی دنیا میں کون کسی کی تعریف کرتا ہے۔" عرفات اس بار اپنا قہقہہ روک نہیں پائے اور جی بھر کر اس کی حاضر جوابی سے محظوظ ہوئے۔ کیف بھی زیر لب مسکراتا رہا۔ وہ جانتا تھا اس کی مسکراہٹ کمال کی ہے سو فیاضی سے اپنی مسکراہٹ کی کرنیں بکھیرتا رہتا۔ آنکھیں یوں بھی شرارت کی پوٹلی تھیں۔ بڑی روشن اور چمک دار۔ بات کرتا مسکرا کر، غصہ کرتا تو بھی مسکراتا ہی رہتا۔
صباحت نائی جان بتاتی تھیں، وہ سوتے ہوئے بھی مسکرا رہا ہوتا ہے۔ خوش نصیب نے جب یہ سنا تو اندازہ لگایا جس روز کیف مرے گا اس روز بھی اس کے چہرے پر مسکراہٹ ہو گی۔ یہ شکر ہے کہ اس بات کا اظہار اس نے کیف کے سامنے بھی اسی وقت کیا، جب وہ ان کے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ جواب میں نانی کی کسی میزائل کی رفتار سے اڑتی ہوئی چپل آئی اور آ کر اس کی کمر پر لگی۔ کیف دل کھول کر ہنسا۔ خوش نصیب نے اس دن کے بعد سے اپنے اس نادر خیال کا اظہار کسی کے بھی سامنے کرنا چھوڑ دیا۔ لیکن کیف کو اس "کسی" کی لسٹ سے نکال دیا۔
"آپ نے مجھے بلوایا کیوں تھا؟ کوئی کام تھا۔" اسے یاد آیا تو پوچھا۔
"ہاں.... کل پرسوں.... جب بھی تمہیں فرصت ملے.... چوبرجی والی دکانوں کا کرایہ وصول کرنے چلے جانا.... کچھ دنوں سے میری کمر میں درد ہے.... میں جا نہیں پاؤں گا۔"
"آپ مجھے کرائے کے اندراج والی ڈائری دے دیں.... یہ کام آج ہی کر لیتا ہوں.... ہو سکتا ہے، کل اسلام آباد چلا جاؤں۔"
"اسلام آباد کیوں؟"
"آج کل یونیورسٹی میں چھٹیاں چل رہی ہیں.... تو ہم دوستوں نے سوچا تھوڑی آؤٹنگ ہی کر لی جائے.... فہد رتی گلی میں کوئی پراجیکٹ مکمل کروا رہا ہے.... کب سے دعوت دے رہا تھا میں نے سوچا چلو اسی بہانے فہد سے بھی مل آتا ہوں۔" اس نے اپنے بچپن کے دوست کا نام لیا۔
"اچھا سنو.... شیرو بتا رہا تھا کل بڑا ہنگامہ ہوا؟" عرفات ماموں نے بات چھیڑی اور جانچتی نظروں سے اسے دیکھا۔
"کون سے ہنگامے کی بات کر رہے ہیں؟ جو خوش نصیب نے مچایا یا شاہجہان بھائی والے ہنگامے کی خبر ملی ہے آپ کو۔"
"خوش نصیب والی بات بتاؤ یار! شاہجہان کا قصہ پھر کبھی سنوں گا۔" تحمل سے بولے۔ کیف نے گہری سانس بھری اور ذرا سی شرمندگی کے ساتھ بولا۔
"غلطی میری ہے.... نہ میں خوش نصیب کو چڑانے جاتا.... نہ وہ اتنا زور سے بولتی اور نہ امی کے کان میں آواز جاتی۔"

"ہوں..." عرفات ماموں نے ایسے سر ہلایا جیسے کہہ رہے ہوں میرا یہی اندازہ تھا۔ پھر بولے۔
"تمہاری اماں تو بہت غصے میں ہوں گی؟"
کیف نے اس بار بھی اثبات میں سر ہلایا۔ "کچھ غصہ تھا کچھ فضیلہ چچی نے ان کے غصے کو ہوا دے دی... اور آپ دیکھیں ناں... خوش نصیب کو کیا ضرورت تھی اتنا بولنے کی... تھوڑا تو خیال رکھنا چاہیے تھا کہ امی اس کی ہونے والی ساس ہیں۔" وہ ذرا جھنجلا رہا تھا۔
عرفات ماموں اس کے پراعتماد پر ہنسے اور مذاق اڑانے والے انداز میں اسے رشک سے دیکھا۔
"واہ... کیا کانفیڈنس ہے... وہ تمہاری شکل دیکھنے پر راضی نہیں ہوتی اور تمہیں لگتا ہے، وہ تم سے شادی کرنے کے لیے تیار ہو جائے گی۔"
کیف لاپروائی سے بولا۔ "مجھ سے نہیں کرے گی تو کس سے کرے گی؟ اس پوری دنیا میں مجھ سا باحوصلہ انسان اور کوئی نہیں ہے، جو اس چمچڑک (چمگادڑ) کے نخرے برداشت کر سکے۔" وہ مسکرا رہا تھا۔ اور جادوئی محبت اس کے چہرے پر بہت بھلی لگ رہی تھی۔ عرفات ماموں نے اس پیارے سے لڑکے کو بڑی محبت سے دیکھا۔
"اتنی محبت کرتے ہو تو اسے بتاتے کیوں نہیں ہو؟"
"کتنی بار بتاؤں؟" اس نے ترنت انہی سے پوچھا۔ "سو دفعہ بتا چکا ہوں... وہ یقین ہی نہیں کرتی..." معصومیت سے کہا۔
"تمہارا طریقہ غلط ہے۔" انہوں نے رسان سے کہا۔ "محبت کا یقین دلانا ہو تو محبت ظاہر کرنی پڑتی ہے... دل کھول کر سامنے رکھنا ہوتا ہے... کہ دیکھو یہ ہے تمہارا خانہ... یہاں لکھا ہے میں نے تمہارا نام... دنیا کی کوئی طاقت اسے مٹا نہیں سکتی... میں تمہارے لیے چاند تارے توڑ کر لا سکوں یا نہیں... تمہیں دنیا کی ہر مشکل گھڑی سے بچاؤں گا..." کسی خیال کی رو میں وہ بولتے گئے۔ کیف نے انہیں مسکراتے ہوئے سنا اور جب وہ چپ ہوئے تو بولا۔
"کتنا اچھا بول لیتے ہیں آپ... روشن چچی کے سامنے کبھی کیوں نہیں بولے؟" عرفات ماموں تھم سے گئے۔ ایک معمولی سے جملے نے انہیں کئی سال پیچھے پہنچا دیا تھا۔ پھر انہوں نے گہری سانس بھری اور قطعیت سے بولے۔
"یہ گئے دنوں کی بات ہے کیف! اور میں ماضی میں زندگی بسر کرنے کے سخت خلاف ہوں، تم سے پہلے بھی کہا تھا اب پھر کہہ رہا ہوں... یہ ذکر مت کیا کرو میرے سامنے۔" کیف چپ سا ہو گیا۔ پھر دیر بعد بولا۔
"ٹھیک ہے، جیسے آپ خوش، لیکن مجھے مت سکھائیں؟ جس نے محبت اور عشق سے متعلق سارا فلسفہ آٹھویں کلاس میں ہی گھول کر پی لیا تھا۔" اس نے شرارت سے آنکھیں چمکائیں۔
"خوش نصیب میری محبت پر اعتبار کرے یا نہ کرے... ایک بات آپ لکھ کر رکھ لیں... خوش نصیب صرف میرا نصیب ہے... کسی اور کا میں اسے ہونے ہی نہیں دوں گا۔" جگمگاتی آنکھوں کے ساتھ اس نے دعوا کیا تھا اور اس طرح کہتے ہوئے اور مسکراتے ہوئے وہ اتنا اچھا لگ رہا تھا کہ عرفات ماموں نے بے ساختہ اس کے حق میں دعا کی تھی۔
"شیرو کہاں ہے؟... میں ذرا اسے چائے کے لیے کہہ کر آتا ہوں۔" وہ اٹھ کر باہر نکل گیا۔ عرفات ماموں اسے جاتا ہوا دیکھتے رہے پھر دوبارہ سے کتاب کھول لی۔

☆ ☆ ☆

اس صبح وہ پارک جانے کے بجائے سڑکوں پر ہی پھرتا رہا۔ بروکلن ہاؤس پر یہ صبح بارش کا لبادہ اوڑھ کر اتری

تھی۔ معاویہ کبھی رک جاتا' کبھی بھاگنے لگتا۔ اسے ٹھنڈ سے فرق پڑتا تھا نہ ننھے ننھے بارش کے قطروں سے۔ آنکھیں ہی نہیں جیسے وجود اور دل بھی بے حس ہوتا جارہا تھا۔ وہ بھاگتا رہا' چلتا رہا لیکن اندر کا اضطراب کسی طور کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ کچھ یادیں تھیں' جو اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھیں۔ کچھ آوازیں تھیں جو مسلسل اس کے تعاقب میں بھاگتی چلی آرہی تھیں۔ گزشتہ رات نظر آنے والا خواب پچھلے کئی خوابوں کی طرح اس کے دماغ پر سوار ہوچکا تھا۔ کچھ آوازیں تھیں' کچھ جملے تھے' جو مسلسل اس کے دماغ پر ہتھوڑا بن کر ضربیں لگا رہے تھے۔

"مجھے خوف آتا ہے... ایسا لگتا ہے وہ ہروقت میرے آس پاس ہے۔"

"اس کی موجودگی میں میرے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں... مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میرے سارے جسم پر چیونٹیاں چل رہی ہوں۔"

"اس کی انگلیاں میری گردن پر ہوتی ہیں... میں محسوس کرسکتا ہوں... اس کے ہاتھ گندے چپ چپے ہوتے ہیں... مجھے گھن آتی ہے اس کے ہاتھوں سے۔"

"میں اس کی آواز سن سکتا ہوں... لیکن وہ نظر نہیں آتی... کوئی مانتا ہی نہیں کہ وہ یہیں ہے۔"

"مجھے بچاؤ... کوئی ہے' جو مجھے یہاں سے باہر نکالے' رحم کرو میرے حال پر رحم کرو۔"

"میں کہاں ہوں مجھے باہر نکالو... بچاؤ کوئی ہے یہاں' بہت اندھیرا ہے مجھے اس قبر سے باہر نکالو' بچاؤ۔"

وہ بروکلین برج سے گزرا۔ کورٹ اسٹریٹ کے فٹ پاتھ پر دیر تک سر جھکائے بیٹھا رہا اور بھاگتے بھاگتے مقامی چرچ کے سامنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بری طرح ہانپنے لگا۔ ایک آواز کئی جملے... خوف اور بے بسی سے اٹے ہوئے سارے جملے گڈمڈ ہورہے تھے۔ ہر آواز دوسری پر حاوی ہونے کی کوشش کررہی تھی۔ معاویہ کو لگا اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔ اس نے زور سے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے اور اذیت کے شدید ترین احساس سے مغلوب ہوتے ہوئے تب تک ہاتھ نہ ہٹائے جب تک ساری آوازیں دم نہ توڑ گئیں۔

پھر اس نے ہاتھ کانوں سے ہٹائے اور بے دم ہوکر گھٹنوں کے بل سڑک کے کنارے بیٹھ گیا۔

اور نہ چاہتے ہوئے بھی وہ وہیں سڑک کے کنارے بیٹھا وسامہ کی ڈائری کے صفحوں میں گم ہونے لگا۔ وہ اتنی بار اس کی ڈائری پڑھ چکا تھا کہ اپنے بھائی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک ایک بات اسے یاد تھی۔ ایک ایک لفظ اسے ازبر تھا۔ خوف کے جو پل وسامہ پہ گزرے' وہ معاویہ نے اس ڈائری کو پڑھتے ہوئے ہر بار اپنی ذات پر حاوی ہوتے محسوس کیے تھے۔ وسامہ کی بے بسی' اس کا خوف معاویہ کو اندر سے کھرچ چکا تھا پھر بھی ماند نہ پڑتا تھا۔

وہ رو نہیں رہا تھا لیکن اس کی بے حس آنکھوں میں نمی تھی اور سینہ سسکیوں کے زور سے بوجھل ہورہا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا وہ مرجائے تب بھی وسامہ کی مدد نہیں کرپائے گا۔ یہی اس کی زندگی کا سب سے بڑا غم تھا یہی سب سے شدید پچھتاوا۔

✡ ✡ ✡

سچ تو یہ ہے کہ مرحوم باسط احمد کی خواہش نہ ہوتی تو اس کا نام کبھی خوش نصیب نہ رکھا جاتا۔

بیس سال کی ہوچکی تھی اور ان بیس سالوں میں بیس سو روایتیں تھیں جو اس کی بدنصیبی سے منسوب کی جاتی تھیں۔ سوئے اتفاق چند ایک کو چھوڑ کر وہ تمام کی تمام ایسی تھیں جنہیں سن کر رونا کم اور ہنسی زیادہ آجاتی تھی۔

چار سال کی عمر میں اس نے فرط جذبات سے مغلوب ہوکر پالتو بکری کے ماتھے کو چوم لیا۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے تو

اسی دن سے بے چاری بکری نے دودھ دینا چھوڑ دیا۔ خوش نصیب نے امرود کی شاخ پر جھولا ڈالا۔ اس موسم کا سارا پھل کیڑے کھا گئے۔ گھر والوں کے حصے میں ایک بھی امرود نہ آیا۔ اس نے دادی سے برفی مانگی' دادی نے دینے سے انکار کر دیا۔ چند گھنٹے بعد وہی برفی کھاتے ہوئے دادی کا سامنے کا دانت ٹوٹ کر منہ سے باہر آ رہا۔ خالص دیسی گھی اور کھوئے سے بنی ہوئی برفی... کوئی بتائے ایسی نرم مٹھائی کھاتے ہوئے بھی کسی کا دانت ٹوٹ سکتا ہے کیا؟

ثابت ہوا یہ خوش نصیب کی بدنصیبی کا سایہ تھا جو دادی کا دانت ساتھ لے گیا۔

وہ کچن کے پاس سے گزر جاتی تو اس روز سالن جل جاتا تھا۔

دلچسپ بات یہ کہ اس کے نصیب ہی نہیں زبان بھی کالی تھی اور اتنی کالی تھی کہ جو بری بات منہ سے نکال دیتی وہ تھوڑا کم تھوڑا زیادہ کے تناسب سے پوری ضرور ہوتی تھی۔ کیف ایف ایس سی کے دو سال اس کی منتیں کرتا رہا۔

"پیاری خوش نصیب! بددعا دے دو کہ فرحان کے کیمسٹری میں چار نمبر مجھ سے کم آجائیں۔" اس کے چار نمبر کم آتے تو کیف کی پوزیشن بن جاتی۔ لیکن خوش نصیب اتنی اچھی نہیں تھی کہ اتنے آرام سے اس کی بات مان لیتی۔ اس نے کیف کی جیب سے دو ہزار کھائے۔ تین بار جوس پیا اور ایک بار مرغیوں کا ڈربا جو صاف کرنا اسی کی ذمہ داری تھی کیف سے صاف کروایا۔ بددعا پھر نہیں دی۔

نتیجتاً "فرحان کے چار نمبر کم آنے کے بجائے آٹھ نمبر کیف سے زیادہ آگئے۔ کیف کی سیکنڈ پوزیشن بنی اور اس دن کے بعد سے کیف نے یہ ماننے سے ہی انکار کر دیا کہ خوش نصیب کی زبان کالی ہو سکتی ہے۔ لیکن خود خوش نصیب کو اس بات پر سو فیصد یقین تھا۔ بچپن میں جب اپنی اس خصوصیات کا علم ہوا وہ تب سے سب بچوں کو دھمکاتے ہوئے پائی جانے لگی۔

ایک بار شاہجہان سے کہنے لگی۔ "یہ لڈو مجھے دے دیں... نہیں تو ابھی آپ گٹر میں گر جائیں گے۔" شاہجہان اس وقت چودہ سال کا تو ہوگا اور وہ خود چھ سال کی۔

اس نے لڈو نہیں دیا اور گٹر میں گر گیا' آئندہ کسی بھی بچے نے اس کا مطالبہ نہ ماننے سے توبہ کر لی اور یوں خوش نصیب بنا ووٹنگ کے بچوں کی اس ٹولی کی لیڈر مان لی گئی۔

گھر میں بچوں کی بہتات تھی۔ جوائنٹ فیملی سسٹم کا شاخسانہ۔

پارٹیشن کے وقت جو حویلی نما مکان خوش نصیب کے دادا افضل احمد کے حصے میں آیا۔ انہوں نے انڈیا سے آئے ہوئے بیشتر رشتہ داروں کو وہیں ٹھہرا لیا تھا۔ اس وقت سب ہی بٹوارے کا صدمہ سہہ رہے تھے دلوں میں گنجائش بھی زیادہ تھی' سو کئی افراد اسی حویلی میں سماتے چلے گئے۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اور مالی اعتبار سے مستحکم ہوتے ہی، بہت سوں نے اپنی راہ لی۔ اور جنہیں ایک دوسرے سے زیادہ محبت تھی وہ یہیں رہ گئے۔ یوں دوسری سے تیسری نسل کو جو مکان منتقل ہوا وہاں داداجی کے ساتھ ساتھ ان کے بھائی کا خاندان بھی آباد تھا۔ رشتے بھی آپس میں ہوئے' سو یوں گنجلک رشتہ داریوں کا سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دیواریں کھڑی کر کے پورشن الگ ضرور کیے گئے' لیکن سب بچوں کی پسندیدہ جگہ گھر کا وہ پچھلا صحن تھا جہاں داداجی نے اپنے ہاتھوں سے آم کا درخت لگایا تھا۔

صابر احمد اور شفیق احمد' مرحوم باسط احمد کے بڑے بھائی تھے۔ صباحت تائی جان' صابر احمد کی بیوی اور کیف اور فہمینہ کی امی تھیں ان کی بڑی بیٹی رامین کی شادی غیر خاندان میں ہوئی تھی اور وہ اپنے شوہر کے ساتھ ملائیشیا جا چکی تھی۔

فضیلہ چچی' شفیق چچا کی نصف بہتر تھیں۔ اور اپنے مضبوط مالی بیک گراؤنڈ کی بنا پر خاندان کی سب سے مستحکم

بہومانی جاتی تھیں۔ شفیق چچا نے ان سے پسند کی شادی کی تھی اور دادا دادی کی زندگی میں ہی ان کی اہم حیثیت کو تسلیم کرلیا گیا تھا۔ ان کے چار بچے تھے۔ دو بیٹے اور دو بیٹیاں۔ صیام اور اصفا چھوٹی تھیں شاہجہان اور شاہ میر بڑے تھے۔ فضیلہ چچی کو اپنی خوب صورتی اور مالی حیثیت کا بڑا ناز تھا لیکن اللہ نے پہلی اولاد چھوٹے دماغ والی دے دی تو ان کا دل افسردہ ہوگیا اور انہوں نے اسے اللہ کی آزمائش قرار دیا۔ اس وقت خوش نصیب نہیں تھی۔ اگر ہوتی تو یقیناً "یہ مصیبت بھی اسی کی بدبختی کے کھاتے میں ڈال دی جاتی۔

عرفات ماموں' صباحت تائی جان کے چھوٹے بھائی اور دادا جان کی بہن کے بیٹے تھے۔ اور خوش نصیب کی امی یعنی روشن آرا عرفات ماموں کی خالہ زاد بہن تھیں۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ انہیں صرف خالہ زاد مانتے تھے۔ نہ بہن مانا نہ ہی باسط احمد کی حیثیت سے بھابھی تسلیم کرسکے۔ اب اڑتالیس کی عمر کو پہنچ چکے تھے لیکن ساری جوانی خاندان کی تاریخ میں رنگین داستانیں رقم کرنے والے عرفات ماموں نے شادی کا سوچا تک نہیں تھا۔ شادی کیوں نہیں کی' یہ ایک ایسا راز تھا جس کی ٹوہ میں رہنا بھی اب خاندان والوں نے چھوڑ دیا تھا۔

وہ نرم گفتار اور دل موہ لینے والی شخصیت کے مالک تھے۔ سچے اور کھرے۔ بات سمجھانے میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ نصیحت ایسے کرتے کہ بات سیدھی دل میں اتر جاتی۔ کیف کے وہ آئیڈیل تھے اور ایک یہی بات تھی' جس پر اس کی اور خوش نصیب کی پسند ایک دوسرے سے میل کھاتی تھی۔ ورنہ تو بقول نانی دونوں کا اینٹ کتے کا بیر تھا۔

خوش نصیب کے خیالات سے سارا گھر واقف تھا۔ کیف کے دل میں جو تھا اس سے اس کے قریبی لوگ ہی واقف تھے۔ باقی سب قیافے لگاتے رہتے۔ اور اپنے اپنے حال میں خوش رہتے۔ کیف نے بارہا اس سے محبت کا اظہار کیا تھا لیکن ہمیشہ مذاق کے پیرائے میں۔ ایسے جیسے محض چڑانے کو کہہ رہا ہو۔ یہ نہ بھی ہوتا تو خوش نصیب اس کی بات پر کبھی اعتبار نہ کرتی کیونکہ وہ اسے بھی خاندان کے باقی افراد کی طرح خائن سمجھتی تھی جنہوں نے اس کے بابا کے ترکے پر قبضہ کرلیا تھا۔ دراصل وہ بدگمان روح تھی۔ ہر کسی سے متنفر ہوجاتی تھی۔

☆ ☆ ☆

وسامہ نے دیکھا پورا چاند آئے کت کے عقب میں تھا۔
کوئی اور وقت ہوتا تو وہ یقیناً" آئے کت اور چاند کے حسن کا موازنہ کر کے محظوظ ہوتا اور بلاشبہ آئے کت کی خوب صورتی کو کچھ اضافی نمبر بھی دیتا' کیونکہ ہم نام ہونے کے باوجود پورے چاند کی خوب صورتی آئے کت کے بیش بہا حسن کے آگے کچھ بھی نہیں تھی۔
یا شاید یہ اس کی محبت تھی جو اس کی نظر میں آئے کت سے بالاتر کسی کو ہونے ہی نہیں دیتی تھی۔
"وسامہ! تم ٹھیک ہو۔" اس نے دیکھا گھبرائی ہوئی آئے کت تیزی سے اس کی طرف آئی تھی۔
کانپتا ہوا وسامہ اپنی ناکارہ ٹانگ اور اس سے لپٹی بیساکھی کو سیدھا کرتا اٹھ بیٹھا۔ آئے کت نے اسے بیٹھنے میں مدد دی۔ اس وقت وسامہ کا سارا جسم پسینے سے بھیگا ہوا تھا۔
"وہ... وہ آگئی ہے آئے کت! میں نے تم سے کہا تھا ناں وہ یہیں کہیں ہے۔" دہشت زدہ سا وہ ہکلا کر بولا۔
آئے کت اپنی ہتھیلی سے اس کی پیشانی کا پسینہ پونچھ رہی تھی۔ اس کی بات سن کر بالکل شاکڈ سی ہو کر اسے دیکھنے لگی۔
"کون؟... کس کی بات کر رہے ہیں؟"
"وہ... وہ۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر سیڑھیوں کی طرف اشارہ کیا' وہ اتنا خوف زدہ ہو چکا تھا کہ اس سے بولا بھی نہیں جا رہا تھا۔ آئے کت نے اس طرف دیکھا جہاں وسامہ اشارہ کر رہا تھا اور جہاں میرون قالین سے ڈھکی ہوئی گول طرز کی سیڑھیاں تھیں۔ جو دوسری منزل تک جا کر ختم ہو جاتی تھیں۔ وسامہ کی حالت دیکھ کر وہ پریشان ہوئی تھی اس کی بات سن کر ساکت ہی رہ گئی۔
"وہ... کون؟ وسامہ!" اپنے دل میں آئے ہوئے خدشے کے رد ہو جانے کی دعا کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔
"وہ... وہ بھٹکی ہوئی روح... قلعہ فلک بوس کا آسیب۔" خوف سے پیلے پڑتے چہرے کے ساتھ وسامہ نے ہکلاتے ہوئے سرگوشی میں کہا۔ آئے کت ششدر سی رہ گئی۔ قلعے کی چھت ایک آن میں جیسے اس کے سر پر آگری تھی۔
"میں نے تم سے کہا تھا ناں آئے کت!... میں کہتا تھا ناں... وہ کہیں گئی ہی نہیں تھی... وہ یہیں تھی اسی جگہ... ہمارے آس پاس۔" خوف' ہراس' پریشانی... کیا تھا جو وسامہ کی آواز اور لہجے سے نہیں جھلک رہا تھا۔
آئے کت کو اس کی بات کا یقین نہیں آرہا تھا لیکن وسامہ کا رنگ اڑا چہرہ اور حواس باختہ کیفیت اسے اپنے ہی یقین کو جھٹلانے پر مجبور کر رہا تھا۔ بالآخر اس نے اپنے منتشر ہوتے ہوئے خیالات کو سمیٹا اور سن ہوتے ہوئے دماغ کو تسلی دے کر بہت نرمی سے وسامہ کے ہاتھ کو تھپک کر بولی۔
"میں دیکھتی ہوں..." وہ اپنا ہاتھ چھڑا کر سیڑھیوں کی طرف جانا چاہتی تھی لیکن وسامہ نے زور سے اس کا بازو دبوچ لیا۔
"نہیں..." وہ اس کا ارادہ بھانپ کر مزید ہراساں ہو گیا تھا۔ "میں تمہیں اوپر جانے نہیں دوں گا۔"
"مجھے اوپر جانے دیں وسامہ!" اس نے نرمی سے کہا۔
"میں نے کہا ناں... میں تمہیں نہیں جانے دوں گا... میں تمہیں نہیں جانے دوں گا۔" آئے کت الجھی۔ اصرار نہیں کر سکی۔

لیکن وہ متذبذب ہوئی تھی کہ اب اسے وسامہ کو خوف کے حصار سے نکالنے کے لیے کیا کرنا چاہیے۔
"میں.... میں معاویہ کو بلاتی ہوں۔" اسے اچانک خیال آیا لیکن اس بار بھی وسامہ نے اسے اس کے ارادے پر عمل کرنے نہیں دیا۔
"نہیں، معاویہ بہت جذباتی ہے وہ ضرور اوپر جانے کی کوشش کرے گا۔" وسامہ جیسے خود کلامی کے انداز میں بول رہا تھا اور وہ سخت پریشان بھی ہو گیا تھا۔
"میرا کیا دماغ خراب ہے، جو میں بائیس سال کی عمر میں اوپر جانے کی کوشش کروں گا؟" وسامہ اور آئے کت نے بے ساختہ اس آواز پر گردن موڑ کر ہال کے داخلی دروازے کی طرف دیکھا۔
گولائی کی شکل میں بنی ہوئی دیدہ زیب پارٹیشن جو خواب گاہوں کے سامنے بنی ہوئی راہداری کو اس ہال نما سٹنگ روم سے الگ کرتی تھی۔ پارٹیشن میں موتیوں کے ٹکرائے لٹک رہے تھے جنہیں کچھ دیر پہلے آئے کت نے سمیٹ کر ایک طرف کر دیا تھا۔
معاویہ کچی نیند سے بیدار ہوا وہیں کھڑا تھا۔ اور دونوں ہاتھ کمر پر رکھے اب بیزاری سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔
"میں اتنی گہری نیند سو رہا تھا.... آپ دونوں نے اتنا شور مچایا کہ میری نیند خراب ہو گئی، کمال ہے یار! گھر آئے مہمان کے ساتھ تم لوگ یہ سلوک کرتے ہو۔" وہ بہت ناراضی سے کہہ رہا تھا۔
آئے کت اور وسامہ کے پاس اس کے سوال کا جواب نہیں تھا وہ دونوں اپنی ہی کشمکش میں تھے۔

☼ ☼ ☼

کیف شیرو کی تلاش میں کمرے سے باہر نکل رہا تھا کہ شیرو اندر داخل ہوا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر اتنے خوش ہوئے جیسے بچپن کے بچھڑے ہوئے دوست مل گئے ہوں۔
"شیرو! میرے دوست۔" کیف نے بازو پھیلائے۔
"ارے کیف بھائی!" اس کی باچھیں کھل گئیں۔ "آپ کب آئے؟ مجھے تو پتا ہی نہیں چلا۔" کیف گھر میں سب کا پسندیدہ تھا سوائے خوش نصیب کے۔
"یار شیرو! میں کون سا تمہاری محبوبہ ہوں کہ میرے آنے کی خبر خود بخود تم تک پہنچ جائے۔" اس نے شیرو کا کندھا تھپتھپایا۔
"کیسی باتیں کرتے ہیں بھائی جان!" شیرو شرما گیا۔ کیف نے بمشکل اپنی ہنسی دبائی اور اس کے سر پر ایک چپت لگا کر بولا۔
"اچھی سی چائے بنا کر لاؤ۔"
"بھائی جان! چائے نہیں بن سکتی۔" شیرو نے منہ لٹکا کر کہا۔
"یہ کیا بدتمیزی ہے شیرو!" عرفات ماموں نے ناراضی سے کہا۔ "بھائی کے لیے چائے بنا کر لاؤ۔"
"میں بتا رہا ہوں ناں سر جی! چائے نہیں بن سکتی۔" لاچاری سے کہا۔
وہ چودہ پندرہ سال کا مؤدب بچہ تھا۔ چھوٹی عمر سے عرفات ماموں نے اسے اپنے پاس رکھا ہوا تھا، چونکہ وہ تنہا رہتے تھے اور کسی پر بوجھ نہیں بننا چاہتے تھے سو شیروان کے لیے خانساماں، دھوبی بن گیا۔ دو چار مہینوں کے بعد گاؤں جاتا ماں باپ سے مل کر ایک ہی دن میں واپس آجاتا۔ پرائیویٹ میٹرک کا امتحان دینے کی تیاری کر رہا تھا اور خود کو پڑھا لکھا ثابت کرنے کے لیے عرفات ماموں کو "سر جی" بلاتا تھا۔ درحقیقت وہ عرفات ماموں کا ملازم تھا لیکن

گھر کے دیگر افراد بھی اس کی دوڑیں لگوائے رکھتے تھے۔
"کیوں؟" عرفات ماموں نے سابقہ ٹون میں کہا۔
"کچن میں چھپکلی ہے... مجھے ڈر لگتا ہے چھپکلی سے۔" اس نے شرمندگی سے کہا تھا۔
"نام تمہارا شیرو ہے اور حوصلہ چوہے کے جتنا بھی نہیں ہے۔" اس بار کیف نے چپت سے کچھ زیادہ زوردار ہاتھ اس کے سر پر مارا۔ "چلو، چھپکلی کو بھگاتے ہیں۔"
"نہیں بھائی جان! چھپکلی کو بھگانے کی ضرورت نہیں ہے... خوش نصیب باجی پہلے ہی چھپکلی کو مار چکی ہیں۔"
"ایں... "دونوں کو حیرانی کا جھٹکا لگا۔ "خوش نصیب نے کیسے چھپکلی ماردی؟"
"انہوں نے آلو گھما کر مارا چھپکلی پھڑک کر نیچے گر پڑی۔" وہ بڑا خوش تھا خوش نصیب کے کارنامے پر۔
"واہ... سبحان اللہ۔" کیف جھوم اٹھا اور عرفات کی طرف دیکھ کر بولا۔ "ایسے ہی تو میں اس کی محبت میں پاگل نہیں ہو رہا... پورے خاندان میں ہے ایسی کوئی بہادر لڑکی! جو آلو سے چھپکلی مار سکے؟"
"بکومت..." اسی وقت خوش نصیب اندر داخل ہوئی اور دانت کچکچا کر بولی۔ "کسی روز میں ایسے ہی آلو گھما کر ماروں گی اور تمہارا قتل کردوں گی۔" اس کے عزائم خطرناک تھے۔
"اور اس کے بعد پوری زندگی بیوہ بن کر سفید جوڑا پہننا پڑے گا... میری بات یاد رکھنا۔" کیف نے ترنت کہا۔ شیرو کھی کھی کرنے لگا۔
"ٹھیک ہے..." خوش نصیب نے بھی دوبدو کہا۔ "مجھے بیوہ بن کر رہنا منظور ہے لیکن تمہارے ساتھ رہنا نہیں..."
اتنی بڑی بات وہ بڑے آرام سے کہہ گئی تھی اور اسے احساس تک نہیں تھا کہ اس کے اس ایک جملے نے کیف کے دل کو کتنی چوٹ پہنچائی ہے لیکن چونکہ وہ مسکرانے کا عادی تھا سو مسکراتا ہی رہا۔ اور شرارت سے اسے دیکھتا رہا۔
"خوش نصیب! بات کرتے ہوئے تھوڑا تو سوچا کرو۔" عرفات ماموں نے ناراضی سے کہا۔
"اللہ نہ کرے کہ کیف بھائی کو کچھ ہو یا آپ کو بیوہ بن کر رہنا پڑے۔" شیرو دہل ہی گیا تھا۔ کیف نے دیکھا شیرو کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔
"یار! تیرا دل واقعی چھوٹا ہے... یہ کوئی رونے کی بات ہے۔" اس نے جلدی سے شیرو کے کندھے پر بازو پھیلا لیا اور اسے لے کر کمرے سے باہر جاتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔
"لوگ لکھ کر رکھ لیں... اتنی آسانی سے کسی کا پیچھا چھوڑنے والا نہیں ہوں میں۔" خوش نصیب کے قریب سے گزرتے ہوئے وہ اس کے کان کے پاس جھکا اور متبسم لہجے میں سرگوشی کی۔
"ویسے بھی... میرا نام کیف ہے اور میرا جادو ہمیشہ سر چڑھ کر بولتا ہے... یاد رکھنا۔" کھنکتے لہجے میں اس نے کہا اور قہقہہ لگاتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ عرفات ماموں اٹھ کر اپنی کتابوں کی الماری تک چلے گئے تھے۔ ابھی جو ہوا انہوں نے دیکھا نہیں۔ لیکن خوش نصیب گم سی گئی۔ نا جانے کیوں۔ اس نے دانت کچکچائے اور ایسے سر جھٹک دیا جیسے کہہ رہی ہو۔ "دفع دور۔"

☆ ☆ ☆

معاویہ نے سوئچ بورڈ پر ہاتھ مارا اور ہال نما لاؤنج کی ساری بتیاں جلادیں۔ صرف فانوس کو اس نے چھوڑ دیا اور

گردن موڑ کر دیکھا۔ نڈھال سا وسامہ اپنی بیساکھی کی قید سے آزاد ہو کر سر جھکائے اب وہیل چیئر پر بیٹھا تھا۔ آئے کت اس سے چند قدم پیچھے کھڑی دانتوں سے انگوٹھے کا ناخن کتر رہی تھی۔ سر اس نے بھی جھکا رکھا تھا اور لگتا تھا سخت اضطراب کا شکار ہے۔

شاندار کرسٹل فانوس چھت پر بے نور لٹک رہا تھا۔ چھت اور دیواروں پر لگی ٹیوب لائیٹس اور بلب سے نکلنے والی روشنی کسی خاص اینگل سے فانوس کے کلس سے ٹکراتیں تو دلفریب روشنیاں نکل کر ان تینوں کے سروں پر منڈلانے لگتیں۔

معاویہ نے بے آواز ایک گہری سانس لی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ان دونوں کے پاس آگیا۔ وہ ان دونوں کو گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اپنے چہرے پر معاویہ کی نظروں کا ارتکاز محسوس کر کے آئے کت نے بے دھیانی میں سر اٹھایا اور اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر سٹپٹا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

معاویہ صوفے پر بیٹھ گیا۔

''تو۔۔۔ تم دونوں یہ کہنا چاہتے ہو کہ فلک بوس haunted (آسیب زدہ) ہے؟ اور یہاں آلوشمتی کی روح کئی سالوں سے بھٹکتی پھر رہی ہے؟'' وہ بہت سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا لیکن ان دونوں میں سے اگر کوئی بھی اس کی طرف دیکھ لیتا تو جان جاتا کہ معاویہ شیرازی اس وقت بڑی مشکل سے اپنے قہقہوں کا گلا گھونٹ رہا ہے۔

''نہیں۔۔۔ میں نہیں۔'' آئے کت نے جلدی سے اور بے ساختہ کہا۔ لیکن اگلے ہی لمحے وسامہ کی وجہ سے جھجک گئی اور بولی۔ ''آ۔۔۔ وسامہ کا خیال ہے کہ یہ جگہ آسیب زدہ ہے۔'' اس بار معاویہ اپنا قہقہہ روک نہیں پایا۔ وہ ہنسا تو ہنستا ہی چلا گیا۔ آئے کت اسے ہنستا دیکھ کر مسکرا بھی نہ سکی۔ البتہ وسامہ اسی طرح سر جھکائے بیٹھا رہا۔

جب معاویہ دیر تک ہنس چکا تو وسامہ نے سنجیدگی اور قدرے بیچارگی سے کہا۔

''یہ سب مذاق نہیں ہے معاویہ! کہ اس پر ہنسا جائے۔۔۔ وہ ابھی بھی یہیں کہیں ہے۔۔۔ اسی قلعے میں ہم تینوں کے آس پاس۔'' اس کی آواز میں اب بھی خوف محسوس کیا جا سکتا تھا۔

''اوہ ریئلی!۔۔۔'' اس نے غیر سنجیدگی سے آنکھیں پھیلائیں۔ ادھر ادھر دیکھا اور زور سے بولا۔

''اگر ایسی بات ہے تو اسے ابھی بھی ہمارے پاس ہونا چاہیے۔۔۔ ہیلو میڈم آلوشمتی! کیا آپ میری آواز سن سکتی ہیں۔۔۔ پلیز سامنے آئیں اور آ کر مجھ سے بات کریں۔۔۔ میرے بھائی نے آپ کی موجودگی کو محسوس کیا ہے' لیکن میں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں پلیز سامنے آئیں کوئی ہے؟ کوئی سن رہا ہے مجھے۔'' وہ شرارت سے زور زور سے بول رہا تھا اور پورے لاؤنج میں گھوم رہا تھا۔ اس کی شرارتی آواز قلعے کی دیواروں سے ٹکرائی اور گونج بن کر ان تینوں کی سماعتوں سے ٹکرانے لگی۔

''معاویہ! پلیز۔۔۔'' آئے کت نے تیز لہجے میں کہا۔ ''تمہیں وسامہ کی بات کو سنجیدگی سے سننا چاہیے۔''

وسامہ جانتا تھا آئے کت کو بھی اس کی باتوں پر یقین نہیں آ رہا لیکن اپنے شوہر کی بات یا اس کا مذاق اڑایا جانا بھی آئے کت کی برداشت سے باہر تھا۔

لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ آئے کت کا اس طرح سے معاویہ کو ٹوکنا خود معاویہ کو کتنا برا لگا ہے۔

''تمہیں مجھے انسٹرکشن دینے کی ضرورت نہیں ہے' میں اپنے بھائی کی باتیں سنجیدگی سے ہی سن رہا ہوں۔'' اس نے دوٹوک آئے کت سے کہا۔ آئے کت کا چہرہ اہانت کے احساس سے سرخ پڑ گیا۔ معاویہ نے وسامہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ولیکن میں یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں کہ یہ جگہ آسیب زدہ ہے۔۔۔ بچپن سے لے کر اب تک ہم نے اکثر وکیشن یہیں گزاری ہیں۔۔۔ اگر واقعی یہاں کسی بد روح کا سایہ ہے تو آج سے پہلے کبھی وہ نظر کیوں نہیں آئی۔"

"تم بھول رہے ہو۔۔۔" وسامہ نے آہستگی سے کہا۔ "بچپن سے لے کر اب تک ہم جب بھی یہاں آئے ہیں ۔۔۔ ہمیں اس روح کے قصے سننے کو ملے ہیں۔"

"ایک منٹ۔۔۔" آئے کت نے بری طرح شاکڈ ہو کر ان دونوں کو اگلی کسی بات سے ٹوکا۔ "کون سے قصے؟ کون سی بد روح؟ آپ نے مجھے پہلے اس بارے میں کچھ کیوں نہیں بتایا وسامہ؟!"

"میں نے جان بوجھ کر تم سے ذکر نہیں کیا تھا۔" وسامہ نے شرمندگی سے کہا۔ "مجھے لگا تھا تم ڈر جاؤ گی۔"

"وہ سب محض افواہیں تھیں۔" معاویہ نے دو ٹوک کہا۔ "دادی لوگوں کی مشہور کی ہوئی باتوں کو تم نے اپنے دماغ پر سوار کر لیا ہے۔۔۔ ورنہ اور کوئی بات نہیں ہے۔" اس نے مکمل طور پر آئے کت کو نظر انداز کر دیا تھا۔

"کاش یہی بات سچ ہوتی۔" سر جھکائے بیٹھا وسامہ روہانسا ہو گیا تھا۔

"ولیکن میں اس کی موجودگی کو محسوس کر سکتا ہوں معاویہ! وہ میرے آس پاس رہتی ہے۔ میں نے۔۔۔ میں نے اس کی آواز سنی ہے معاویہ! وہ بولتی ہے۔۔۔ مجھے آوازیں دیتی ہے۔۔۔ میری بات کا یقین کرو۔۔۔ تم تو میری بات کا یقین کرو۔"

وہ خوف زدہ تھا کوئی اس کی بات پر اعتبار کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ دونوں باتیں مل کر اسے ہسٹو ک کر رہی تھیں، سو وہ چلا کر بولا ملامت سے بولا۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھوں میں ہراس کے ساتھ ساتھ نمی بھی دکھائی دینے لگی۔

معاویہ خاموش سا رہ گیا۔ آئے کت کے لیے یہ بڑی نازک صورت حال تھی۔ اس نے گھور کر معاویہ کو دیکھا اور خاموش رہنے کا اشارہ کر کے وسامہ کے قدموں میں پنجوں کے بل بیٹھ گئی۔

"آپ پریشان نہ ہوں وسامہ! اگر واقعی یہاں کوئی آسیب ہے تو ہم اسے یہاں سے بھگا دیں گے۔۔۔ اس عورت کی روح آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔۔۔ یہ وعدہ ہے میرا آپ سے۔" وسامہ کا ہاتھ سہلاتے ہوئے وہ اسے بچوں کی طرح بہلا رہی تھی۔

وسامہ نے اس کی بات کا یقین کرتے ہوئے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام کر اسے اپنی پیشانی سے لگا لیا۔ چند لمحے وہ اسی طرح گہرے گہرے سانس لیتا رہا پھر آئے کت اٹھی اور آہستہ سے اس کی وہیل چیئر کو دھکیلتی ہوئی کمرے کی طرف لے گئی۔

معاویہ اتنے بڑے لاؤنج میں اکیلا کھڑا رہ گیا۔

جانے سے پہلے ان دونوں نے ایک نظر بھی معاویہ کو نہیں دیکھا تھا۔ جسے ان دونوں کی بات کا اعتبار ہی نہیں تھا۔ اسے دیکھ کر انہوں نے کرنا بھی کیا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)